ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

'مسئلہ توہین رسالت' پر متجدّدانہ موقف کا جائزہ

حنفیت کے نام پر غامدیت کا پرچار

ماہ نامہ 'الشریعہ' کے شمارہ جون ۲۰۱۱ء میں قانون توہین رسالت کے بارے میں بعض ترامیم تجویز کی گئی ہیں۔ ان ترامیم کی اشاعت سے قبل، اسی مجلّہ کے متعدد مضامین میں فقہ حنفی کے موقف کے بارے میں جدید تحقیق بھی شائع ہوئی ہے۔ جبکہ مجلّہ ہذا کے مدیر محترم بھی 'توہین رسالت کا مسئلہ' کے نام سے ایک مستقل کتابچے میں اس معاملے پر فقہ حنفی کی تفصیلی تحقیق پیش کرچکے ہیں۔

اس مضمون میں یہ جائزہ لیا جائے گا کہ فقہ حنفی کی نئی تحقیق کی اساس جن نظریات کو بنایا گیا ہے، کیا وہ فقہ حنفی کا مقصد ومدعا ہیں بھی یا نہیں؟ اور اپنی تحقیق میں اُنہوں نے اس موضوع کے حوالے سے جو بعض دعوے کئے ہیں، کیا وہ دعوے تحقیقی طور پر درست ہیں؟ مزید برآں آخر میں اس امر کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ اگر یہ ترامیم فقہ حنفی سے ماخوذ نہیں تو پھر پیش کی جانے والی ان ترامیم کا اصل مصدر وماخذ کیا ہے اور اس کے مجوّز محترم کے پیش نظر وہ کونسے رجحانات ہیں جنہوں نے اُنہیں یہ موقف شائع کرنے پر مجبور کیا۔ دوسرے لفظوں میں مضمون نگار کے اپنے موقف کی اساس کیا ہے اور وہ کس نقطہ نظر کے حامی ہیں جس کی بنا پر وہ ایسی ترامیم متعارف کرا رہے ہیں۔

یاد رہے کہ ان ترامیم کی اشاعت سے قبل اُنہوں نے حنفی موقف میں اضطراب کی اشاعت کی اور اسے اپنے مخصوص نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی۔ حالانکہ مضمون نگار کا اصل موقف جو اُنہوں نے اپنے کتابچہ میں صراحت سے لکھا ہے، احناف کی موجودہ تعبیر وتوجیہ سے بہر حال مختلف ہے۔ ان ترامیم میں وہ احناف کے نمائندہ ہونے کی بجائے اس گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں جو رجم کو بھی حدِ شرعی ماننے سے منکر ہے۔ حد رجم کی شرعی حیثیت سے انکار پر مبنی منکرین حدیث کے اس موقف کی ماضی میں بھی علمائے احناف سمیت جمیع اہل علم قوی دلائل سے تردید کرچکے ہیں اور اس پر کئی کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔

مضمون نگار کا موقف، اُن کے الفاظ میں

مضمون نگار کا موقف یہ ہے کہ توہین رسالت کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی مقررہ سزا نہیں بلکہ اسے بھی حد حرابہ کے ضمن میں لایا جائے۔ اپنے رسالہ میں وہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جو اپنے قول و فعل سے آپ کی حیثیتِ رسالت کو چیلنج کریں اور اس کے مقابلے میں سرکشی اور بغاوت کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کریں، سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۳۳ میں سخت اور سنگین سزاؤں کا مستحق قرار دیا ہے۔ قرآنِ کریم کی اس آیت کی رو سے نبی ﷺ کو ہر اس شخص یا گروہ کے خلاف اقدام کا حق حاصل تھا، جو اسلام کے بارے میں محاربہ اور معاندت کا رویہ اختیار کرے اور جسے سزا دینا آپ موقع و محل کی رو سے مناسب سمجھیں۔ ظاہر ہے کہ جن افراد نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرنے کے لئے آپ کی توہین و تنقیص، ہجو گوئی اور سبّ و شتم کا رویہ اختیار کیا اور اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی معاندانہ مہم میں ایک ذریعے کے طور پر استعمال کیا، وہ بدیہی طور پر محاربہ کے مرتکب تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی اختیار کے تحت ایسے بہت سے افراد پر موت کی سزا نافذ فرمادی۔"[1]

ایک اور مقام پر احادیثِ نبویہ میں سے توہین رسالت کے بہت سے واقعات ذکر کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں:

"مذکورہ تمام مجرموں کو دی جانے والی سزا دراصل اللہ اور اس کے رسول کے خلاف محاربہ کی سزا تھی، اور نبی کریم ﷺ کے حینِ حیات میں اس جرم کا ارتکاب کرنے والے بدیہی طور پر اس سزا کے زیادہ مستحق تھے، اس لئے ان واقعات میں عقل و منطق کے سادہ اُصول کے مطابق یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ محض سبّ و شتم کے مجرم کو ہر حال میں قتل کرنا لازمی ہے۔"[2]

یہ ہے مقالہ نگار موصوف کا وہ موقف جو اُنہوں نے 'توہین رسالت کا مسئلہ' نامی اپنے کتابچہ میں تفصیل سے لکھا ہے، جسے مکتبہ امام اہل سنت، گوجرانوالہ نے شائع کیا ہے۔ اُن کی اس موقف کی جھلک ان کے ترمیمی مطالبوں[3] میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، جس میں وہ ایسے

۱ کتابچہ 'توہین رسالت کا مسئلہ': ص ۱۰
۲ ایضاً: ص ۴۸
۳ ترمیمی تجاویز کے لئے دیکھئے ادارتی صفحات میں شائع ہونے والا مضمون، ص ۶

مجرم کو حتیٰ الامکان معاف کرنے کے رجحان پر گامزن ہیں، اور توہین رسالت کے مرتکب کے لئے سزائے موت کو صرف ایسی انتہائی سزا کے طور پر اجازت دینے کے روادار ہیں جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ موقف فقہاے احناف کا نہیں جو اہانتِ رسول کو ایسا جرم سمجھتے ہیں جس کی سزا شریعتِ اسلامیہ میں مقرر شدہ ہے۔

موصوف کا اس جرم کو سرکشی اور عناد کی انتہائی حد کے ساتھ نتھی کر دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اکیلی توہین رسالت کو مستقل بالذات جرم نہیں سمجھتے۔ یہ ویسا ہی موقف ہے جیسے متجددین کا یہ موقف ہے کہ رجم شادی شدہ زانی کی مستقل بالذات سزا نہیں ہے، تاہم وہ رجم کو زنا کے بدترین اور عادی مجرم کی انتہائی سزا کے طور پر گوارا کرتے ہیں۔[1] ان کے موقف کی مزید وضاحت رسالہ کے صفحہ نمبر ۳۶ پر ملاحظہ ہو جسے اُنہوں نے فقہ حنفی کے حوالے سے لکھا ہے:

"جہاں تک توہین رسالت کے جرم پر سزاے موت کے حد یا تعزیر ہونے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے فقہاے احناف کے موقف اور صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے مابین کوئی اختلاف نہیں [کہ یہ حد نہیں ہے][2]۔ یہ تمام اہل علم اسے ایک تعزیری سزا ہی سمجھتے ہیں، البتہ جمہور کے نزدیک اس جرم پر ترجیحاً یہی [موت کی] سزا دی جانی چاہئے جبکہ احناف کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ عمومی قانون کے طور پر سزاے موت کے بجائے کم تر سزاؤں کا نفاذ زیادہ قرین قیاس و مصلحت ہے۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ

"فقہاے احناف اور جمہور فقہا کے مذکورہ اختلاف کی تعبیر عام طور پر یوں کر دی جاتی ہے کہ جمہور اہل علم توہین رسالت پر سزا کو 'حد' یعنی شریعت کی مقرر کردہ لازمی سزا سمجھتے ہیں جبکہ احناف کے نزدیک یہ سزا ایک تعزیری اور صوابدیدی سزا

---

۱ مولانا امین احسن اصلاحی کا رجم کے بارے موقف ملاحظہ ہو: "رجم یعنی سنگسار کرنا ہمارے نزدیک [سزاے محاربہ:] تقتیل کے تحت داخل ہے۔ اس وجہ سے وہ گنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کی عزت اور ناموس کے لئے خطرہ بن جائیں، جو اغوا اور زنا کو پیشہ بنالیں، جو دن دیہاڑے لوگوں کی عزت وآبرو پر ڈاکے ڈالیں، کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں، ان کیلئے رجم کی سزا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے۔" (تدبر قرآن ۲/۲۷۷)

"جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں رجم کی سزا کا کوئی ذکر نہیں ہے، ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ سزا ہر قسم کے زانیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف ان زانیوں کے لئے ہے جو معاشرے کے عزت وناموس کے لئے خطرہ بن جائیں۔" (تدبر قرآن:۲/۵۰۵)

۲ بریکٹوں میں کی جانے والی صراحت راقم کی طرف سے ہے، کیونکہ پوری عبارت اور اگلے اقتباسات سے یہی متبادر ہوتا ہے۔ اس صراحت سے قاری کو مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

ہے۔ ہماری رائے میں یہ تعبیر بالکل غلط اور اختلاف کی نوعیت پر بالکل غور نہ کرنے یا شدید قسم کے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔ فقہا کے مابین اختلاف اس کے حد ہونے یا نہ ہونے میں نہیں اور احناف کی طرح جمہور صحابہ و تابعین، جمہور ائمہ مجتہدین اور جمہور محدثین بھی اس کو 'تعزیر' ہی سمجھتے ہیں۔''[1]

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

''ہماری تحقیق کے مطابق سب سے پہلے جس عالم نے توہین رسالت پر سزائے موت کو شریعت کی مقرر کردہ حد قرار دینے پر اصرار کر کے تعبیر کی اس غلطی کو بنیاد فراہم کی، وہ آٹھویں صدی کے عظیم مجدد امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم رحمہما اللہ ہیں۔ ممکن ہے بعد کے دور کے بعض فقہا نے اس اختلاف کو کسی جگہ محض تجوزًا اور توسّعًا حد ماننے یا نہ ماننے کے اختلاف سے تعبیر کر دیا ہو لیکن جہاں تک صحابہ و تابعین، جمہور محدثین اور ائمہ مجتہدین میں سے بالخصوص امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا تعلق ہے تو یہ بات پورے اطمینان سے کہی جاسکتی ہے کہ اُنہوں نے اس سزا کو ہرگز شرعی حد کے طور پر بیان نہیں کیا اور نہ فقہی مذاہب کی اُمہاتِ کتب میں اس سزا کو اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔''[2]

اپنی بحث کے اختتام میں خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں:

''اس جرم کے ارتکاب پر سزائے موت کو حد قرار دینے کے لئے قرآن یا حدیث میں کوئی قطعی یا صریح دلیل موجود نہیں۔ اس کا ماخذ عام طور پر ایسے واقعات کو بنایا گیا ہے جن میں ایسے افراد کو قتل کیا گیا جنہوں نے صرف سب و شتم کا نہیں، بلکہ اس کے علاوہ دیگر سنگین جرائم کا بھی ارتکاب کیا تھا یا سب و شتم کو مستقل روش کے طور پر اختیار کیا تھا۔''[3]

اب اُن کی زبانی فقہ حنفی کا موقف بھی ملاحظہ فرمائیے:

''جمہور فقہاے احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی کیفیت کے تحت اس جرم کا ارتکاب کرے، اور پھر اس پر اصرار کے بجائے معذرت کا رویہ اختیار کرے تو اسے درگزر کرنا یا ہلکی پھلکی سزا پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ البتہ اگر دیدہ دانستہ کیا جائے یا معمول کی صورت اختیار کر لے تو عدالت کو قتل کی سزا دینے کا اختیار

1 کتابچہ 'توہین رسالت کا مسئلہ': ص ۱۶
2 کتابچہ 'توہین رسالت کا مسئلہ': ص ۲۰
3 ایضاً: نکتہ نمبر ۳، ص ۶۵

بھی حاصل ہے۔"[1]

موصوف کے بیان کردہ موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ

① توہین رسالت کی سزا کتاب وسنت میں مقررہ طور پر کہیں بیان نہیں ہوئی۔

② صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے مابین اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ تمام اہل علم اسے ایک تعزیری سزا ہی سمجھتے ہیں۔

③ اُن کے خیال میں توہین رسالت کی سزا کو اُمتِ مسلمہ میں سے کوئی بھی حد تسلیم نہیں کرتا اور سب سے پہلے اسے حد قرار دینے کی غلطی امام ابن تیمیہ سے سرزد ہوئی۔

④ احناف کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ عمومی قانون کے طور پر سزائے موت کے بجائے کم تر سزاؤں کا نفاذ زیادہ قرین قیاس ومصلحت ہے۔ فقہاے احناف کے نزدیک پہلے پہل مجرم سے درگزر کرنا اور اس کو ہلکی پھلکی سزا دینے پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔

⑤ توہین رسالت کی سزا جرم کی شدت کے پیش نظر ہوگی، اور یہ سزا نبی کریم ﷺ نے معاشرے میں فساد یعنی محاربہ کے نقطہ نظر سے دی ہے۔

مضمون نگار کے ان اقتباسات کے فوری بعد اگر جاوید احمد غامدی کے مسئلہ توہین رسالت کے بارے میں موقف کا مطالعہ[2] کیا جائے تو اس سے دونوں کے مابین گہرے اتفاق واشتراک کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، بلکہ ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جاوید غامدی کا موقف اس مسئلہ پر زیادہ صریح وواضح ہے جبکہ مضمون نگار کا موقف قدرے پیچیدہ اور اُلجھا ہوا نظر آتا ہے، کیونکہ وہ بہت سی باتیں واضح الفاظ میں نہیں کہہ سکتے جبکہ دونوں کا مقصد ونتیجہ ایک ہی ہے۔ یہاں دونوں موقفوں کے تقابلی مطالعے کی بجائے ذیل میں ہم شریعتِ اسلامیہ اور فقہ حنفی سے ان دعووں کا جائزہ لینے کے بعد جاوید غامدی کے موقف کا تذکرہ کریں گے۔

توہین رسالت کی شرعی سزا

موصوف کے یہ دعوے سراسر غلط ہیں۔ کیونکہ احادیثِ نبویہ کے نہ صرف درجنوں واقعات بلکہ صریح احادیث میں اُصولی طور پر شتم رسول کی سزا کو قتل ہی قرار دیا گیا ہے۔ راقم الحروف نے احادیث میں توہین رسالت کے حوالے سے آنے والے ڈیڑھ درجن

۱ ایضاً: نکتہ نمبر ۴، ص ۶۵

۲ جاوید غامدی کے تحریری اقتباسات اس مضمون کے آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

واقعات پر مشتمل ایک تفصیلی مضمون [1] کچھ عرصہ قبل تحریر کیا تھا، تفصیل کے شائقین اس کی کی طرف رجوع کریں۔ ان احادیث کی رو سے شاتمانِ رسول: کعب بن اشرف، عبد اللہ بن خطل، اس کی لونڈیاں، مقیس بن صبابہ، عبد اللہ بن سرح اور ابو رافع یہودی وغیرہ کی طرف آپ ﷺ نے خود مہمات روانہ کیں اور اپنی دعاؤں اور نگرانی میں اُنہیں بھیجا۔ سیدنا خالد بن ولید، سیدنا زبیر اور سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ کو رسولِ کریم ﷺ نے باقاعدہ یہ کہہ کر شاتمان رسول کو قتل کرنے کی دعوت دی کہ میرے دشمن سے کون مجھے بچائے گا؟ نابینا صحابی، عمیر بن اُمیہ، عمر فاروق، عمیر بن عدی خطمی اور ابن قانع وغیرہ کے معاملات آپ کے سامنے آئے اور شتم رسول کی بنا پر آپ نے ان واقعات میں مقتولین کے خون کو نہ صرف رائیگاں قرار دیا بلکہ صحابہ کی تعریف بھی کی۔ پیچھے ذکر کردہ شبہات کے تناظر میں مسئلہ شتم رسول کی شرعی حیثیت بالاختصار ملاحظہ فرمائیے:

① سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس باب میں بالکل صریح اور اُصولی ہے۔ امام نسائی نے اپنی سنن نسائی کی کتاب تحریم الدم کے باب حکم في من سب النبي ﷺ میں سیدنا ابو برزہ اسلمی سے اس واقعہ کو روایت کیا ہے:

قَالَ غَضِبَ أَبُو بَكْرٍ عَلَىٰ رَجُلٍ غَضَبًا شَدِيدًا حَتَّى تَغَيَّرَ لَوْنُهُ قُلْتُ: يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللهِ! وَاللهِ لَئِنْ أَمَرْتَنِي لَأَضْرِبَنَّ عُنُقَهُ فَكَأَنَّمَا صُبَّ عَلَيْهِ مَاءٌ بَارِدٌ فَذَهَبَ غَضَبُهُ عَنِ الرَّجُلِ قَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ أَبَا بَرْزَةَ وَإِنَّهَا لَمْ تَكُنْ لِأَحَدٍ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ

"ایک بار سیدنا ابو بکر ایک شخص پر انتہائی ناراض ہوئے، حتیٰ کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ میں نے کہا: اے رسول اللہ کے خلیفہ! واللہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں اس کی گردن مار دوں۔ [یہ بات سن کر] گویا ان [ابو بکر صدیق] پر ٹھنڈا پانی بہا دیا گیا ہو اور اس شخص سے آپ کا غصہ جاتا رہا اور فرمانے لگے: ابو برزہ! تیری ماں تجھے گم پائے، رسول ﷺ کے بعد کسی کی گستاخی پر اس کو قتل کرنے کی سزا نہیں۔"

دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ بات کہہ کر ابو برزہ گھر کو چلے گئے۔ سیدنا ابو بکر نے ان کو گھر سے بلایا اور پوچھا کہ اگر میں تمہیں حکم دیتا تو تم اس کو قتل کر دیتے؟

1 دیکھئے ماہنامہ محدث، شمارہ مارچ ۲۰۰۸ء 'احادیث میں توہین رسالت کے واقعات اور گستاخِ رسول کی سزا' جلد ۴۰/ عدد ۳... ص ۶۱ تا ۷۵

فَقَالَ: لَوْ أَمَرْتَنِي لَفَعَلْتُ قَالَ أَمَا وَاللهِ مَا كَانَتْ لِبَشَرٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ[1]

تو ابو برزہ نے جواب دیا: بالکل، تب ابو بکر صدیق نے فرمایا: ہر گز نہیں! بخدا محمد ﷺ کے بعد کسی شخص کیلئے یہ سزا جائز نہیں (کہ اس کی گستاخی پر قتل کر دیا جائے)

② یوں تو اس موضوع پر بہت سے اُصولی فیصلے موجود ہیں، جن میں صحیح بخاری میں کعب بن اشرف یہودی اور ابو رافع یہودی کے واقعات قابل ذکر ہیں، تاہم مذکورہ بالا حدیث میں ایک بار رسول کریم ﷺ کی گستاخی کرنے والے کے لئے بھی یہ سزا اُصولی طور پر بیان ہوئی ہے، اِس لئے ہم نے اس کو یہاں ذکر کر دیا ہے۔ کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی وجہ زبانِ رسالت سے یہ بیان ہوئی ہے:

«من لكعب بن الأشرف؟ فإنه قد آذى الله ورسوله»[2]

"کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف واذیت سے دوچار کیا ہے۔"

③ اس مسئلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اس موضوع پر بڑا مختصر لیکن جامع موقف پیش کیا ہے:

فهٰذا قضاؤه ﷺ وقضاء خلفائه من بعده ولا مخالف لهم من الصحابة وقد أعاذهم الله من مخالفة هذا الحكم.

وفي ذلك بضعة عشر حديثًا ما بين صحاح وحسان ومشاهير وهو إجماع الصحابة... والآثار عن الصحابة بذٰلك كثيرة وحكي غير واحد من الأئمة: الإجماع على قتله. قال شيخنا: وهو محمول علىٰ إجماع الصدر الأول من الصحابة والتابعين والمقصود: إنما هو ذكر

---

1 سنن أبي داؤد (٤٣٦٣)، سنن النسائي (٤٠٧٣)، ذخيرة العقبٰى في شرح المجتبى: ٣٢ / ٢٧، السنن الكبرٰى للنسائي (٣٥٢٠ تا ٣٥٢٦)، مسند أحمد (٥٤) ٤٤٦-٤٤٨، المستدرك: ٤ / ٣٥٤، كتاب المختارة (٢٠ تا ٢٦)، مسند أبي بكر الصديق للمروزي (٦٦،٦٧)، مسند أبي يعلىٰ (٧٤-٧٧) وفي نسخة (٨١،٨٢)، مسند أبي داؤد الطيالسي (٤)، مسند البزار (٤٩)، تهذيب الكمال: ١٥ / ٤٤٣، مسند حميدي (٦) امام حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

٢ صحيح البخاري (٤٠٣٧، ١٣٠٣، ٢٥١٠)، صحيح مسلم (١٨٠١)، سنن أبي داود (٢٧٦٨) السنن الكبرٰى للبيهقي: ٧/ ٤٠ و ٩/ ٨١، شرح السنة للبغوي: ١١/ ٤٣: ٢٦٩٢، المستدرك للحاكم: ٣/ ٤٣٤ (٥٨٤١)

حکم النبي ﷺ وقضائه فيمن سبه.
وأما تركه ﷺ قتل من قدح في عدله ﷺ بقوله: "اعدل فإنك لم تعدل" وفي حكمه ﷺ بقول: "أن كان ابن عمتك." وفي قصده ﷺ بقوله: "إن هذه قسمة ما أريد بها وجه الله" أو في حكومته ﷺ بقوله: "يقولون إنك تنهى عن الغي وتستحلي به فذلك أن الحق له فله أن يستوفيه وله أن يتركه وليس لأمته ترك استيفاء حقه ﷺ.
وأيضًا فإن كان هذا في أول الأمر حيث كان ﷺ مامورًا بالعفو والصفح وأيضًا فإنه كان يعفو عن حقه لمصلحة التاليف وجمع الكلمة ولئلا ينفر الناس عنه ولئلا يتحدثوا أنه يقتل أصحابه وكل هذا يختص بحياته ﷺ[1]

”نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہی فیصلہ ہے جس کا صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مخالف نہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس حکم کی مخالفت سے بچائے رکھا۔ اس ضمن میں دس سے اوپر احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں جن میں صحیح، حسن اور مشہور احادیث شامل ہیں اور اس مسئلہ پر اجماعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے۔ اس باب میں صحابہ کرام سے مروی آثار تو بہت زیادہ ہیں اور ایک سے زائد ائمہ اسلاف سے شاتم کے سزائے قتل پر اجماع کی صراحت بھی منقول ہے۔ ہمارے استاد شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ سب اُمور صدرِ اوّل میں صحابہ کرام اور تابعین کے اجماع پر دلالت کرتے ہیں۔
ہمارا یہاں آپ کو سب و شتم کرنے والے بدبخت کے لئے آپ ﷺ کا حکم اور فیصلہ کو بیان کرنا ہی مقصود ہے۔ جہاں تک آپ ﷺ کا اس بدبخت کو چھوڑ دینا ہے جس نے آپ کے وصفِ عدل میں یہ کہہ کر الزام تراشی کی تھی کہ ”آپ ﷺ انصاف فرمایئے، آپ نے انصاف نہیں کیا۔“ اور جس نے آپ کے فیصلہ میں یہ کہہ کر بداعتمادی ظاہر کی تھی کہ ”یہ اس لئے آپ نے کیا ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، [اس لئے آپ کا فیصلہ اس کے حق میں ہے]“ اور جس نے آپ کے ارادہ میں یہ کہہ کر عیب جوئی کی تھی کہ ”آپ ﷺ نے اس تقسیم کے ذریعے اللہ کی رضا پوری نہیں کی۔“ اور جس نے آپ کی خلوت پر یوں طعنہ طرازی کی تھی کہ ”آپ تو گمراہی سے روکتے ہیں لیکن خود اس کو گوارا کرتے ہیں۔“ تو ان گستاخیوں کو نظر انداز کرنے

1 زاد المعاد از علامہ ابن قیم جوزیہ: ۵/۵۹

کا سبب یہ تھا کہ اپنی توہین کو معاف کر دینا آپ کا ہی حق تھا، آپ چاہتے تو اس کا پورا بدلہ لیتے اور چاہتے تو اسے چھوڑ دیتے، تاہم آپ کی اُمت کے لئے آپ کے حق کی تکمیل چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مزید برآں اس جیسے واقعات اوّلین دور کے ہیں جب آپ ﷺ معافی اور درگزر کرنے کا حکم دیے گئے تھے۔ اس وقت آپ تالیفِ قلب، کلمہ اسلام کو مجتمع رکھنے اور لوگوں کے متنفر ہو جانے کے ڈر سے معافی کا راستہ اختیار کیا کرتے اور اس لئے بھی کہ دشمن یہ نہ کہتے پھریں کہ آپ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ الغرض شتم رسول پر تمام قسم کی معافیاں آپ کی حیاتِ طیبہ سے ہی مخصوص ہیں۔''

اس بنا پر شاتم رسول کے لئے قرآن وحدیث میں سزاے موت ایک مقرر سزا کے طور پر بیان ہوئی ہے۔ اس مسئلہ پر صحابہ سے لے کر آج تک اجماعِ اُمت چلا آتا ہے، اور واضح ہے کہ اجماع کی ان عبارتوں میں کہیں اس سزا کے لئے تکرار وغیرہ کی شرط کا کوئی تذکرہ نہیں اور نہ ہی کوئی ہلکی پھلکی سزائیں پیش کی گئی ہیں۔

کیا اس کو سب سے پہلے امام ابن تیمیہ نے حدّ قرار دیا !

مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ آٹھویں صدی میں علامہ ابن تیمیہ نے سب سے پہلے شتم رسول کو حد قرار دے کر تعبیر کی غلطی کو بنیاد فراہم کی۔ مزید برآں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شاتم رسول کی مقررہ سزا نہ ہونے پر اُمتِ اسلامیہ میں اتفاق ہے۔ ان کے یہ دونوں دعوے سراسر غلط ہیں۔ کیونکہ

① خیر القرون میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اس جرم کی سزا کے قتل ہونے پر اجماع ہو چکا تھا، جیسا کہ حافظ ابن قیم اور حنفی عالم مولانا یوسف لدھیانوی کے ذریعے اس کی صراحت پیچھے گزر چکی ہے۔ اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ صراحت امام ابن تیمیہ، قاضی ابن عابدین شامی[1] اور قاضی عیاض نے بھی کی ہے۔ قاضی عیاض (متوفی: ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

اعلم - وفقنا الله وإياك - أن جميع من سب النبي ﷺ، أو عابه، أو ألحق به نقصًا في نفسه، أو نسبه، أو دينه، أو خصلة من خصائله، أو عرض به، أو شبهه بشيء على طريق السب له، أو الإزراء

1 قاضی شامی اور ابن تیمیہ کی اجماعِ صحابہ پر دال عبارتیں آگے بالترتیب نمبر ۱۰ اور ۱۳ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

عليه، أو التصغير لشأنه، أو الغض منه، والعيب له، فهو ساب له، والحكم فيه حكم الساب، وكذلك من لعنه، أو دعا عليه، أو تمنى مضرة له، أو نسب إليه ما لا يليق على طريق الذم، أو عبث في جهته العزيزة بسخف من الكلام وهجر، ومنكر من القول وزور، أو عيره بشيء مما جرى من البلاء والمحنة عليه، أو غمصه ببعض العوارض البشرية الجائزة والمعهودة لديه، وهذا كله إجماع من الصحابة وأئمة الفتوى من لدن الصحابة رضوان الله عليهم إلى هلم جرًا.... ولا نعلم خلافاً في استباحة دمه - يعني ساب الرسول ﷺ - بين علماء الأمصار وسلف الأمة، وقد ذكر غير واحد الإجماع على قتله وتكفيره[1]

"جان لیجئے، اللہ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہر وہ بدبخت جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے، عیب جوئی کرے، آپ کی ذاتِ مبارکہ سے کوئی نقص منسلک کرے، یا آپ کے نسب شریف میں، یا آپ کے دین میں یا آپ کی کسی عادت مبارکہ میں، یا ان چیزوں کو پیش کرے، یا آپ کو ان میں سے کسی سے ازراہِ گستاخی تشبیہ دے یا آپ کی تحقیر کرے، یا آپ کے مقام کو کم کرے یا گرائے، یا ان میں کوئی عیب لگائے تو وہ آپ کا گستاخ ہے۔ اس کی سزا گستاخ کی سزا ہے۔ اس میں وہ بدبخت بھی شامل ہے جو آپ ﷺ پر لعنت کرے، آپ کو بد دعا دے یا آپ کو نقصان پہنچنے کی دعا کرے، یا ازراہ مذمت شانِ مبارکہ کی طرف غیر مناسب چیز منسوب کرے یا مقام مقدس کی طرف ہلکی بات یا غلط اور جھوٹی بات منسوب کرے۔ یا دعوت دین کے سلسلے میں جو مشقتیں آپ کو برداشت کرنا پڑیں ان سے آپ کی شرمندگی کا سامان پیدا کرے، یا بعض بشری ممکنہ عوارض کی بنا پر آپ شان میں کمی کرے۔ ایسے شاتم کے خون کے مباح ہونے میں ہمارے علم کے مطابق کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ جملہ صحابہ اور فتویٰ کے ائمہ کا اِن کے کفر اور قتل پر آج تک اجماع چلا آرہا ہے۔"

آگے لکھتے ہیں: "ایسے بدبخت یعنی شاتم رسول کے خون حلال ہونے میں دورِ حاضر

[1] الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ للقاضي عياض: ۹۳۲/۲

کے علما اور اسلاف امت میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اور ایک سے زائد ائمہ نے اس شاتم کے قتل اور کافر ہو جانے پر اجماع کا تذکرہ کیا ہے۔"

② مزید برآں علامہ ابن المنذر (متوفی ۳۱۹ھ) نے تیسری صدی ہجری میں اس کے حد ہونے پر اُمتِ اسلامیہ کا اجماع نقل کیا ہے:

أجمع عوام أهل العلم علىٰ أن حدّ من سبّ النبي ﷺ القتل وممن قاله مالك والليث وأحمد وإسحٰق وهو مذهب الشافعي[1]

"اہل علم کا اجماع ہے کہ جو آدمی نبی ﷺ کو گالی دیتا ہے، اس کی حد قتل کرنا ہے۔ اور اسی بات کو امام مالک، امام لیث، امام احمد، امام اسحٰق نے بھی اختیار فرمایا ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔"

③ بلادِ مغرب کے نامور فقیہ محمد بن سحنون مالکی (متوفیٰ: ۲۶۵ھ) لکھتے ہیں:

أجمع العلماء على أن شاتم النبي ﷺ والمنتقص له كافر والوعيد جاء عليه بعذاب الله له وحكمه عند الأمة القتل ومن شكّ في كفره وعذابه كفر[2]

"علما کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کا شاتم اور نقص گوئی کرنے والا کافر ہے۔ اور اس پر اللہ کے عذاب کی وعید آئی ہے۔ اُمت کے ہاں اس کی سزا قتل ہے۔ جو شخص بھی اس کے کفر وعذاب میں شک کرے، وہ کافر ہو جاتا ہے۔"

④ امام اسحٰق بن راہویہ (متوفی: ۲۳۸ھ) نے بھی اسی پر اجماع نقل کیا ہے:

أجمع المسلمون على أن من سبّ الله أو سبّ رسوله ﷺ أو دفع شيئًا مما أنزل الله عزوجل أو قتل نبيا من أنبياء الله عزوجل أنه كافر بذلك[3]

"مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا گستاخ، یا اللہ کی

1 الصارم المسلول: ص ۳، طبع نشر السنہ، ملتان؛ الاشراف علیٰ مذاہب اہل العلم از ابن المنذر: ۳/ ۱۹۰، طبع دار الفکر

2 نہایۃ السؤل فی خصائص الرسول: ص ۲۶۱ بحوالہ السیف المسلول از سبکی اور الصارم المسلول: ۱/ ۹ ... یاد رہے کہ امام محمد بن سحنون کی اسی عبارت کو مولانا انور شاہ کشمیری نے اپنے موقف کے بیان کے لئے پسند کیا ہے، جیسا کہ آگے ان کا موقف آرہا ہے۔

3 التمہید لابن عبد البر: ۴/ ۲۲۶، الصارم المسلول ص ۳۲

نازل کردہ شے کو رد کرنے والا، یا انبیاء اللہ سے کسی نبی کو قتل کا ارتکاب کرنے والا اس فعل پر کافر ہو جاتا ہے۔"[1]

⑤ قاضی حسین شافعی نے امام ابو بکر فارسی سے نقل کیا ہے:

أجمعت الأمة على أن من سب النبي يقتل حدًا[1]

"اس پر اجماعِ امت ہے کہ نبی ﷺ کا شاتم و گستاخ حد کے طور پر قتل کر دیا جائے"

اسی بات کو صحیح بخاری کی شرح فتح الباري میں حافظ ابن حجر نے یوں لکھا ہے:

ونقل أبو بكر الفارسى أحد أئمة الشافعية في كتاب الإجماع: أن من سب النبي ﷺ مما هو قذف صريح كفر باتفاق العلماء، فلو تاب لم يَسقط عنه القتل؛ لأن حدَّ قذفه القتل، وحد القذف لايسقط بالتوبة ... فقال الخطابي لا أعلم خلافًا في وجوب قتله إذا كان مسلمًا[2]

"ائمہ شافعیہ میں سے امام ابو بکر نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دی جس سے صریح تہمت ظاہر ہوتی تھی تو ایسا شخص اجماعِ علماء کی رو سے کافر قرار پائے گا۔ اگر توبہ بھی کر لے تو اس سے قتل ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی اس تہمت کی حد قتل ہے۔ اور تہمت یعنی قذف کی حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ خطابی فرماتے ہیں: اگر وہ مسلم ہے تو اس کے واجب القتل ہونے میں مجھے کوئی مخالف نظر نہیں آیا۔"[2]

⑥ امام خطابی (متوفی: ۳۸۸ھ) کے حوالے سے اجماع کا دعویٰ صاحبِ فتح الباری نے بھی کیا ہے، جب کہ امام خطابی کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

ان السب منه الرسول الله ﷺ ارتداد عن الدين ولا أعلم أحدًا من المسلمين اختلفوا في وجوب قتله[3]

"نبی کریم ﷺ کو دشنام طرازی کرنا دین سے ارتداد ہے۔ اور میں مسلمانوں میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے اس کے واجب القتل ہونے پر اختلاف کیا ہو۔"

1 'اسلام اور احترام نبوت' از مفتی محمد خاں قادری (اردو ترجمہ السیف المسلول از امام سبکی): ص ۹۶
2 فتح الباری: ۱۲/ ۲۸۱
3 معالم السنن: ۳/ ۲۹۶

⑦ امام ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

ومن أوجب شيئًا من النكال على رسول الله ﷺ أو وصفه، وقطع عليه بالفسق، أو بجرحه في شهادته فهو كافر مشرك مرتد كاليهود والنصارى حلال الدم والمال، بلا خلاف من أحد من المسلمين[1]

''جس بدبخت نے نبی کریم ﷺ کی رسوائی کا ارتکاب کیا یا آپ کو اس سے منسوب کیا اور آپ پر فسق کا الزام لگایا یا آپ کی شہادت رسالت میں زیادتی کی تو یہود ونصاریٰ کی طرح وہ کافرو مشرک مرتد ہے، اس کا مال وخون حلال ہے۔ اس بارے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

⑧ قاضی عیاض (متوفیٰ: ۵۴۴ھ) بھی اس پر اجماع کا تذکرہ کرتے ہیں:

أجمعت الأمة علىٰ قتل منتقصه من المسلمين وسابه[2]

''اُمت کا نبی کریم کی تنقیص کرنے والے اور شاتم کو قتل کرنے پر اجماع ہے۔''

⑨ امام تقی الدین علی سبکی شافعی (م ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وقد ذكرت في كتابي المسمى بالسيف المسلول أن الضابط أن ما قصد به أذى النبي ﷺ فهو موجب للقتل كعبد الله بن أبي وما لم يقصد به أذى النبي ﷺ لا يوجب القتل كمسطح وحمنة. أما سب النبي ﷺ فالإجماع منعقد على أنه كفر والاستهزاء به كفر[3]

''میں نے اپنی کتاب 'السیف المسلول' میں یہ اُصول پیش کیا ہے کہ جو شخص کسی فعل سے نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا چاہتا ہو تو ایسا بدبخت واجب القتل ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن اُبی تھا اور جس شخص کا یہ ارادہ نہ ہو تو اس صورت میں اس کی سزا قتل نہیں ہوگی جیسا کہ مسطح اور حمنہ کا معاملہ ہے [جنھوں نے سیدہ عائشہ پر افک میں شرکت کی تھی] جہاں تک شتم رسول کی بات ہے تو اس فعل کے کفر ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کا تمسخر اُڑانا بھی کفر ہی ہے۔''

---

١ المحلی از ابن حزم: ۲؍۳۳۰

٢ الشفاء بتعريف حقوق المصطفیٰ: ص ۶۵، الصارم المسلول: ۱؍۹

٣ فتاویٰ سبکی: ۲؍۵۷۳

اس عبارت میں امام موصوف نے بیانِ اجماع کے ساتھ ساتھ نیت وارادۂ گستاخی پر ایک اُصول بھی پیش کیا ہے جو قابل توجہ ہے، اسکی مزید تفصیل آگے علامہ ابن تیمیہ کے قول میں

⑩ قاضی ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

فعُلم أن المراد من نقل الاجماع على قتله قبل التوبة ثم قال وبمثله قال أبو حنيفة وأصحابه[1]

"اگر کسی نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تو توبہ سے پہلے اس کو قتل کرنے پر اجماع ہے۔ یہی نظریہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔"

ایک اور مقام پر صحابہ کے اجماع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذه نقول معتضدة بدليلها وهو الإجماع، ولا عبرة بما أشار إليه ابن حزم الظاهري من الخلاف في تكفير المستخف به[2] فإنه شيء لا يعرف لأحد من العلماء، ومن استقرأ سير الصحابة تحقق إجماعهم على ذلك، فإنه نقل عنهم في قضايا مختلفة منتشرة يستفيض نقلها ولم ينكره أحد، وما حكي عن بعض الفقهاء من أنه إذا لم يستحل لا يكفر زلة عظيمة، وخطأ عظيم لا يثبت عن أحد من العلماء المعتبرين، ولا يقوم عليه دليل صحيح، فأما الدليل على كفره فالكتاب والسنة والإجماع والقياس[3]

"جو ہم کہہ رہے ہیں، اس کا اعتماد وانحصار اجماع پر ہے۔ اور اس اجماع کو ابن حزم ظاہری کا یہ کہنا متاثر نہیں کرتا جہاں اُنہوں نے آپ ﷺ کا استخفاف کرنے والے کی تکفیر پر اختلاف کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ وہ شے ہے جس کو علما میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ اور جس نے صحابہ کے حالات کا مطالعہ کیا ہے، اس پر ان کا اجماع واضح ہے۔ یہ چیز ان کے مختلف فیصلوں میں منقول ومشہور ہے جس کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور بعض فقہا سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ یہ کام حلال سمجھ کر نہ کرے تو کافر نہیں ہوگا، یہ بہت بڑی لغزش اور غلطی ہے جو معتبر علما میں سے کسی سے ثابت نہیں

1 ردالمختار (حاشیہ ابن عابدین): ۶/۳۵۷، دوسرا نسخہ ۱۶/۲۸۵

2 المحلی از ابن حزم: ۱۳/۴۹۹، ۵۰۰

3 مجموعہ رسائل ابن عابدین 'تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام': ۱/۳۱۶

ہے۔ اور اس پر کوئی صحیح دلیل بھی قائم نہیں ہے۔ ایسے بدبخت کے کفر پر کتاب وسنت اور اجماع وقیاس واضح دلیل ہیں۔"

⑪ فقہ حنفی کی ممتاز شخصیت امام سرخسی نے بھی شاتم رسول کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ کہیں بھی ہو، اسے قتل کردیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔[1]

⑫ مضمون نگار کا یہ دعویٰ کہ کسی محدث نے توہین رسالت کو حد قرار نہیں دیا، بھی درست نہیں۔ اس سلسلے میں بطورِ مثال امام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) کی سنن نسائی کو پیش کیا جاسکتا ہے جہاں انہوں نے تحریم الدم کے نام سے کتاب کا عنوان قائم کرکے، اس میں ان جرائم کا تذکرہ کیا ہے جن سے خون کی حرمت ختم ہوکر، متعلقہ مجرم کا خون مباح ہوجاتا ہے۔ اس کتاب کے تحت اُنہوں نے باب حکم من سب رسول اللہ کی احادیث بیان کیں۔ اسی کتاب کے تحت آپ سبّ وشتم سے قبل محاربہ کی احادیث بھی لائے ہیں اور بعد میں ساحر وجادوگر کے قتل کی احادیث کا تذکرہ کیا ہے۔

⑬ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وأما إجماع الصحابة فلأن ذلك نقل عنهم في قضايا متعددة ينتشر مثلها ويستفيض، ولم ينكرها أحد منهم فصارت إجماعًا[2]

"جہاں تک اجماعِ صحابہ کی بات ہے تو وہ یوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس مسئلہ میں بہت سے فیصلے منقول ہیں جو مشہور ومعروف ہیں۔ صحابہ میں سے کسی نے اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا، اس بنا پر اس مسئلہ میں اجماعِ صحابہ ہے۔"

قد اتفقت نصوص العلماء من جميع الطوائف على أن التنقص له كفر مبيح للدم ... ولا فرق في ذلك بين أن يقصد عيبه لكن المقصود شيء آخر حصل السب تبعًا له، أو لا يقصد شيئًا من ذلك، بل يهزل ويمزج، أو يفعل غير ذلك[3]

"تمام گروہوں کے علما کی عبارات کی مراد اس پر متفق ہے کہ نبی کریم کی تنقیص کفر اور خون کو حلال کرنے والی ہے۔ اس میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ

---

۱ 'ناموس رسول اور قانون توہین رسالت': ص ۱۸۵

۲ الصارم المسلول علی من سب الرسول ﷺ: ص ۱۷۳ با اختصار

۳ الصارم المسلول: ص ۴۶۵... اختصار کے لئے دیکھیں: ص ۱۹۵

آپ کی عیب جوئی کا ارادہ کرے لیکن مراد دوسری چیز لے، اور اس سے تبعاً گستاخی لازم آجائے یا وہ ایسا ارادہ نہ کرے بلکہ مذاق میں ایسا کرے یا اس کے علاوہ مقصد کچھ اور ہو۔"

مضمون نگار کا علامہ ابن تیمیہ کو اس ضمن میں پہلا شخص قرار دینا سراسر غلط ہے کیونکہ اوّل تو شتم رسول کی سزائے موت ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ ثانیاً، امام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) سے کئی سو برس قبل علامہ ابن المنذر (متوفی ۳۱۹ھ) توہین رسالت کی مقررہ سزا پر نہ صرف اجماع کا دعویٰ کر چکے ہیں بلکہ اسی موقف کو اُنہوں نے امام مالک، احمد، لیث، اسحٰق، اور امام شافعی کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ اوپر جتنے بھی علما نے اس موضوع پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، وہ سب ہی امام ابن تیمیہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جبکہ امام ابن تیمیہ کے بعد اس مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ کرنے والے امام سبکی اور حنفی علمائے کرام میں سے قاضی ابن عابدین شامی، امام سرخسی، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا عبد المالک کاندھلوی، مولانا یوسف لدھیانوی اور مولانا رفیع عثمانی قابل ذکر ہیں جن میں بعض کے حوالے آگے آرہے ہیں۔

④ علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی لکھتے ہیں:

ولا خلاف بين المسلمين أن من قصد النبي ﷺ بذلك فهو ممن ينتحل الإسلام أنه مرتد فهو يستحق القتل[2]

"تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی اہانت اور ایذا رسانی کا قصد کیا، وہ مسلمان کہلاتا ہو تو بھی وہ مرتد اور مستحق قتل ہے۔"

مذکورہ ائمہ کرام نے مختلف کتب میں توہین رسالت کی سزائے قتل ہونے پر اجماعِ اُمت کی صراحت کی ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ اس میں تکرار یا عدم تکرار وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں ہے اور یہی اُمتِ اسلامیہ کا اجماعی موقف ہے۔ پھر یہ کہنا کہ مسلمانوں میں سے

---

1 نامور فقیہ و مجتہد علامہ ابن المنذر اجماع کے مستند بیان میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کا اس کو حد قرار دینا بہت سی کتب میں بیان ہوا ہے جن میں سے علامہ ابن تیمیہ کی بیان کردہ عبارت کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے ہی سب سے پہلے حنفی موقف کو پورے شرح وبسط سے پیش کیا اور حنفی موقف کے بیان کے سلسلے میں حنفی فقہا انہی پر اعتماد کرتے ہیں جیساکہ قاضی ابن عابدین لکھتے ہیں: وقوله: وإن أسلم بعد أخذه، لم أر من صرح به عندنا، لكنه نقله عن مذهبنا وهو ثبت فيُقبل (ردّ المحتار علی الدر المختار: ۴/ ۲۳۳)

2 احکام القرآن: ۳/ ۱۱۲

کوئی اس کی مقررہ سزا بیان نہیں کرتا اور یہ آٹھویں صدی میں امام ابن تیمیہ کی غلطی کا نتیجہ ہے، سراسر بے اصل اور غلط دعویٰ ہے۔

توہین رسالت پر اجماع کے اس بیان میں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

اوّل، تو ان میں کسی مقام پر کمتر سزا کا تذکرہ موجود نہیں اور ان میں بعض فقہا نے مباح الدم یعنی اس کے خون حلال ہونے کا جو اُسلوبِ بیان اختیار کیا ہے، وہ اس کے واجب قتل ہونے کی سزا کو ہی بیان کرتا ہے، جیسا کہ اس کی صراحت بعض دیگر فقہا نے واجب القتل کے الفاظ سے بھی کی ہے، دیکھئے نمبر ۳، ۵، ۶، ۸، ۹ اور ۱۰ اور بعض عبارتوں میں اس پر 'حد' کا لفظ بھی بولا گیا ہے جیسے نمبر ۲ اور ۳ اور آگے آنے والے بہت سے اقوال۔

اس صراحت سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایسے مجرم کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کی سزا دینا واجب ہے۔ اجماع کی یہ عبارات بتاتی ہیں کہ توہین رسالت کی شریعتِ اسلامیہ میں مقررہ سزا یعنی حد ہونے پر اُمتِ مسلمہ میں اتفاق پایا جاتا ہے۔

دوم، متعدد مستند علما کی زبانی اُمت کے اجماع کے دعوے سے پتہ چلا کہ فقہاے احناف بھی اس اجماع میں شامل ہیں اور توہین رسالت کی مقررہ سزا ہونا ہی ان کے ہاں اصل اور قدیمی موقف ہے، وگرنہ اجماع کا تقاضا ہی پورا نہیں ہوتا؟ بالخصوص کسی مسلمان شاتم پر سزاے قتل واجب ہونے کے بارے میں اجماع کی یہ عبارات احناف کے موقف پر صریح دلیل ہیں۔ یہی اصل مسئلہ ہے اور اس باب میں دیگر حنفی جزئیات استثنائی حیثیت رکھتی ہیں۔

فقہ حنفی میں توہین رسالت کی سزاے قتل

جہاں تک علماے احناف کے موقف کی بات ہے تو اُن میں بھی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توہین رسالت کی سزا قتل ہی ہے۔ ان میں یہ اختلاف تو ہے کہ شاتم رسول کی سزا بطورِ حد قتل ہے یا یہ جرم حد ارتداد کو مستلزم ہونے کی بنا پر مستوجبِ قتل ہے۔ یعنی جرم کی تعبیر و توجیہ میں اختلاف موجود ہے لیکن جرم کی سزا میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا کہ علماے احناف کے ہاں اس کی سزا موت نہیں بلکہ تعزیری ہے، درست نہیں۔ 'حد' کی تعریف فقہ حنفی کی مستند کتاب کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں یوں ہے کہ

الحدُّ عُقوبةٌ مُقدَّرةٌ لله تعالىٰ بيانٌ لِمَعْناهُ شرْعًا فخرَجَ التَّعزِيرُ لِعدَمِ التَّقْدِيرِ[1]

”حد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔ یہ اس کے شرعی معنیٰ کی وضاحت ہے۔ طے شدہ سزا نہ ہونے کی بنا پر تعزیر اس سے نکل گئی۔“

اب دیکھئے کہ کیا معتمد حنفی علمانے توہین رسالت کی مقرر سزا کو بیان کیا ہے؟ یا اس کو مسلمان حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

① نامور حنفی عالم علامہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

أجمع المسلمون على أن شاتمه ﷺ كافر ومن شكّ في عذابه وكفره كفر... أجمع عوام أهل العلم على أن من سبّ النبي ﷺ يقتل...[2]

”ملتِ اسلامیہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گستاخ کافر ہے۔ اور جو اس کی سزا یا کافر ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔ اور اہل علم کا اس پر بھی اجماع ہے کہ نبی کریم کو سبّ و شتم کرنے والے کو قتل کیا جائے گا۔“

② پاکستان کے مشہور حنفی عالم مولانا رفیع عثمانی احناف کا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

”یہ مسئلہ تو اتفاقی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شخص آں حضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور توہین رسالت کا مرتکب ہو جائے تو اس سے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، اور جرم ثابت ہونے پر اس کو قتل کیا جائے گا۔ یہ شق اجماعی ہے اور اس کے دلائل نہایت واضح ہیں۔ اور خود یہ عمل آں حضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کئی ایسے بدبختوں کو موت کی سزا دی جن کے قصے کتبِ حدیث اور سیرت میں مشہور ہیں۔“[3]

شتم رسول کی سزا کے قتل ہونے پر مولانا عبد المالک کاندھلوی اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے اقتباسات بھی انہی صفحات[4] میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں جن میں مولانا کاندھلوی نے اس کی سزا موت بیان کرتے ہوئے اسے اجماعِ امت اور اجماعِ ائمہ قرار دیا

1 البحر الرائق: ۱/۱۳
2 إكفار الملحدين ص ۶۴،۵۴
3 مجلہ الشریعہ، گوجرانوالہ... شمارہ جون ۲۰۱۱ء: ص ۱۸
4 شمارہ ہذا: دیکھئے صفحہ نمبر ۱۹،۱۸

ہے۔ پھر مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے توہین رسالت کی سزا کے قتل ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی نقل کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے ہاں نہ تو اس جرم کی سزا کے قتل ہونے میں اختلاف ہے اور نہ ہی جرم کی تکرار یا کمی بیشی کے لحاظ سے ان کے ہاں اس کی سزا میں کوئی فرق پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ بات احناف پر ایک الزام ہے کہ وہ اسے ایک تعزیر سمجھتے ہیں یا چھوٹی موٹی سزاؤں سے شاتم کی تادیب کا رجحان رکھتے ہیں۔

③ سنن نسائی کے شارح علامہ ابوطیب سندھی حنفی لکھتے ہیں:

وحكم الساب يقتل[1]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دشنام طرازی کرنیوالے کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔''

④ اس باب میں فقہ حنفی کی مستند ترین عبارت درج ذیل ہے:

قال أبو يوسف: وأيما رجل مسلم سبّ رسول الله ﷺ أو كذبه أو عابه أو تنقصه فقد كفر بالله تعالىٰ وبانت منه امرأته فإن تاب وإلا قتل وكذلك المرأة إلا أن أبا حنيفة قال: لا تقتل المرأة وتجبر على الإسلام[2]

''قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے، یا ان کی تکذیب و تنقیص کرے، یا اُن کی عیب جوئی کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور اس کی بیوی طلاق یافتہ ہوگئی۔ اگر وہ توبہ کرے تو درست وگرنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یہی حکم عورت کا ہے، تاہم امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اسے اسلام کی طرف آنے پر مجبور کیا جائے گا۔''

⑤ علماے احناف میں خاتمة المحقّقين کے لقب سے یاد کئے جانے والے علامہ ابن ہمام حنفی (متوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

كل من أبغض رسول ﷺ بقلبه كان مرتدًا، فالسّباب بطريق أولىٰ ثم يقتل حدًا عندنا فلا تعمل توبته في إسقاط القتل. قالوا هٰذا مذهب أهل الكوفة ومالك ونقل عن أبي بكر الصديق رضي الله

۱ حاشیہ سندھی بر سنن نسائی: ۲/ ۱۵۳

۲ کتاب الخراج: ص ۱۸۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۹۷۹ء

عنه ولا فرق بين أن يجيء تائبًا من نفسه أو شهد عليه بذلك بخلاف غيره من المكفرات فإن الإنكار فيها توبة فلا تعمل الشهادة معه حتى قالوا يقتل وإن سب سكران ولا يعفى عنه[1]

"جس شخص نے بھی رسول اللہ ﷺ سے دلی طور پر بغض رکھا، وہ مرتد ہو جاتا ہے تو گالی دینے والا تو بالاولیٰ مرتد ہو گا۔ اور پھر ایسا شخص ہمارے نزدیک بطورِ حد قتل کیا جائے گا اور سزائے قتل کے بارے میں اس کی کوئی توبہ قبول نہیں ہو گی۔ اُنہوں نے کہا کہ اہل کوفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے اور سیدنا ابو بکر صدیق والی حدیث سے یہی پتہ چلتا ہے۔ اور اس امر میں کوئی فرق نہیں کہ وہ خود توبہ کر کے آئے یا اس کے خلاف کسی دوسرے نے گواہی دی ہو بر خلاف دیگر کفریہ اعمال کے کیونکہ ان کا انکار کر دینا ہی توبہ ہے، اس میں دوبارہ گواہی کا بھی کوئی اعتبار نہیں حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا، اگرچہ نشہ کی حالت میں گالی دی ہو، اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔"

⑥ قاضی ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ

"اس بات پر فقہا کا اجماع ہے کہ اگر مسلمان کہلانے والا شخص رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس فعل سے توبہ نہ کرے تو اس کی سزا بطورِ حد موت ہے۔"[2]

⑦ اسی طرح نامور حنفی فقہا میں سے امام کردری عرف ابن بزاز، امام خیر الدین رملی اور مولیٰ خسرو وغیرہ نے بھی توہین رسالت کی سزائے قتل کو حد قرار دیا ہے، جیسا کہ اس کے تفصیلی حوالے مجلہ ہذا کے صفحہ نمبر ۸۲،۸۱ میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

⑧ غیر حنفی فقہا میں محمد بن سحنون مالکی (متوفی ۲۶۵ھ) نے بھی توہین رسالت کی سزائے قتل ہونے کو حد قرار دیا ہے اور قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ) نے جمہور فقہا، ائمہ اسلاف، امام مالک اور ان کے متبعین کا یہ موقف بتایا ہے:

مذهب مالك وأصحابه وقول السلف وجمهور العلماء قتله حدًا

مذکورہ بالا اقتباسات میں سے پہلے چار میں علی الاطلاق شاتم رسول کی سزا قتل قرار دی

1 شرح فتح القدیر: ۵/ ۳۳۲، طبع جدید: ۴/ ۴۰۷
2 اُردو تلخیص از پروفیسر محمد مشتاق احمد: مجلہ الشریعہ، جون ۲۰۱۱ء: ص ۳۶

گئی ہے اور اس کی کوئی فقہی توجیہ نہیں کی گئی جبکہ آخری چار اقتباسات میں اس جرم کو براہِ راست حد (مقررہ سزا والا جرم) بتایا گیا ہے۔ دراصل اس جرم کو براہِ راست حد بنانے یا حد ارتداد کو لازم ہونے سے اگلے مسائل مثلاً ذمی کے لئے سزا کے تعین اور توبہ کی قبولیت وغیرہ کے بارے میں فرق پیدا ہوتا ہے، اس بنا پر فقہا کے مابین جرم ہذا کی تعلیل وتوجیہ میں تو اختلاف ہے، تاہم اس فرق کی بنا پر مسلمان شاتم کے لئے اس کی سزائے قتل میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ جبکہ علمائے احناف میں ایسے فقہا بھی ہیں جنہوں نے اس جرم کو ارتداد ہونے کی بنا پر سزائے موت کے قابل بتایا ہے:

⑨ قاضی عیاض مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے امام ابو حنیفہ کا یہ موقف بیان کیا ہے:

وَهُوَ مُقْتَضَى قَوْلِ أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ عِنْدَ هٰؤُلَاءِ وَبِمِثْلِهِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَصْحَابُهُ وَالثَّوْرِيُّ وَأَهْلُ الْكُوفَةِ وَالْأَوْزَاعِيُّ فِي الْمُسْلِمِ، لٰكِنَّهُمْ قَالُوا هِيَ رِدَّةٌ. وَرَوَى مِثْلَهُ الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ وَحَكَى الطَّبَرِيُّ مِثْلَهُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَصْحَابِهِ فِيمَنْ يُنْقِصُهُ ﷺ أَوْ بَرِئَ مِنْهُ أَوْ كَذَّبَهُ[1]

"[امام ابن المنذر کے بیان کردہ دعوائے اجماع[2] کے بعد قاضی عیاض فرماتے ہیں:] اور یہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمان کا تقاضا ہے۔ مذکورہ بالا تمام ائمہ کے نزدیک شاتم رسول کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، یہی موقف مسلمان کے بارے میں امام ابو حنیفہ، ان کے متبعین، ثوری، اہل کوفہ اور امام اوزاعی کا ہے، تاہم اُنہوں نے اس جرم کو اِرتداد قرار دیا ہے۔ ولید بن مسلم نے امام مالک کا بھی یہی موقف بیان کیا ہے جبکہ طبری نے امام ابو حنیفہ اور ان کے متبعین کا اس بدبخت کے بارے میں بھی جو آپ ﷺ کی تنقیص کرے، آپ سے براءت کا اظہار کرے یا آپ کی تکذیب کرے، یہی موقف بیان کیا ہے۔"

امام ابو حنیفہ کے بارے میں یہی بات علامہ ابن نجیم حنفی (م ۹۷۰ھ) نے بھی لکھی ہے:

فَعُلِمَ أَنَّ قَوْلَهُ "وَبِمِثْلِهِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ" أَيْ قَالَ: أَنَّهُ يُقْتَلُ لٰكِنْ

---

۱ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی عیاض: ۲/ ۲۱۵

۲ امام ابن المنذر کے اس دعوائے اجماع کی عبارت پیچھے نمبر ۲ کے تحت گزر چکی ہے۔

قَالُوا: أَنَّهُ رِدَّةٌ[1]

" ان کے قول: وَبِمِثْلِهِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسے قتل تو کیا جائے گا لیکن وہ ارتداد کی بنا قتل ہو گا۔"

⑩ شتم رسول کے حد ارتداد کو مستلزم قرار دینے والے حنفی فقہا یہ بھی ہیں:

وَقَدْ نَقَلَ ابْنُ أَفْلَاطُونَ زَادَه فِي كِتَابِهِ الْمُسَمَّى بِمُعِينِ الْحُكَّامِ أَنَّهَا رِدَّةٌ حَيْثُ قَالَ مَعْزِيًا إِلَى شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ مَا صُورَتُهُ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ بَغَضَهُ كَانَ ذَلِكَ مِنْهُ رِدَّةً وَحُكْمُهُ حُكْمُ الْمُرْتَدِّينَ. وَفِي النُّتَفِ مَنْ سَبَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَإِنَّهُ مُرْتَدٌّ وَحُكْمُهُ حُكْمُ الْمُرْتَدِّ وَيُفْعَلُ بِهِ مَا يُفْعَلُ بِالْمُرْتَدِّ[2]

اوپر کے اقتباسات میں پہلے آٹھ حنفی فقہا کے موقف شاتم رسول کی سزائے قتل ہونے پر گزرے ہیں جبکہ سزائے قتل کی کوئی توجیہ اُنہوں نے نہیں کی، جبکہ پانچ مزید حنفی علما (ابن ہمام، قاضی ابن عابدین، ابن بزاز، رملی اور مولی خسرو) نے اس جرم کی سزا بطور مستقل حد، سزائے موت ذکر کی ہے اور آخری تین اقتباسات میں امام ابو حنیفہ کے بارے قاضی عیاض نے اور امام طحاوی حنفی کے بارے ابن افلاطون زادہ نے اور النتف میں کسی نسبت کے بغیر، شاتم رسول کی سزا کو بطورِ ارتداد قتل قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح ۱۶ حنفی فقہا کے موقف، مسلمان شاتم رسول کی سزائے موت پر یہاں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا فقہائے احناف میں، حالیہ دور کے نامور حنفی علما کے اقوال کا انتخاب اس بنا پر کیا گیا ہے کہ فقہ حنفی کے دورِ اوّل کے امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف سے لے کر، اس زمانہ کے نامور حنفی فقہا تک، سب کو احناف کے اس موقف میں کوئی تردّد یا اضطراب نظر نہیں آیا اور ان کا موقف بالکل واضح ہے کہ مسلمان شاتم کی سزا قتل ہی ہے، چاہے مستقل بالذات جرم گستاخی کی بنا پر ہو یا حد ارتداد کے لزوم کی بنا پر۔ تو اب اس میں تحقیق کے نام پر یہ نیا موقف کیوں کر پیش کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ "علمائے احناف کے ہاں اس جرم کی سزا یا حد مقرر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور یہ محض ایک تعزیری جرم ہے۔" یا

۱ البحر الرائق ۱۳/ ۴۹۷

۲ البحر الرائق: ۱۳/ ۴۹۶

"احناف کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ عمومی قانون کے طور پر سزاے موت کی بجائے کمتر سزاؤں کا نفاذ زیادہ قرین قیاس و مصلحت ہے۔" ظاہر ہے کہ فقہاے احناف کے موقف کی تعبیر کرنے کا اصل حق انہی معتمد حنفی علماے کرام کو ہی حاصل ہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں میں خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ کریں کہ کیا ان میں توہین رسالت کی مقررہ سزا کو بیان کیا گیا ہے یا اسے حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر اس کی سزا کو مقرر طور پر پیش کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے تو پھر توہین رسالت کی سزا کو محض اس بنا پر حد قرار دینے سے رک جانا کہ بعض فقہا نے حدود کی لسٹ میں اس کو درج نہیں کیا، ایک کوتاہی سے زیادہ نہیں۔ بعض فقہا کا اس کو حدود کی لسٹ میں درج کرنا یا نہ کرنا، ایک فنی اور تدوینی امر ہے، تاہم فقہی موقف اس باب میں بالکل واضح ہے۔ اور اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ حنفی فقہا کا اس کے مقررہ حد نہ ہونے پر اتفاق کا دعویٰ کرنا سراسر باطل ہے۔

بعض فقہا نے شتم رسول کو حدود کی فہرست میں بھی درج کیا ہے، جیسے امام خلال نے اپنی کتاب أهل الملل والردة والزنادقة میں کتاب الحدود میں 'باب فيمن شتم النبي ﷺ' کا تذکرہ کر کے اس کو حدود میں شمار کیا ہے۔[1]

احناف کے ہاں ذمی شاتم رسول کی سزاے قتل

حنفیہ کے ہاں شاتم رسول کا واجب القتل ہونا مسلمان مجرم کی حد تک تو اتفاقی ہے جس کی صراحت مذکورہ بالا عبارتوں کے علاوہ اجماعِ امت کی درجنوں تصریحات سے بھی ہو رہی ہے جن میں احناف کی حد تک اجماع کا محل مسلم شاتم کی سزاے قتل تک تصریح شدہ ہے۔

تاہم اُن میں یہ اختلاف موجود ہے کہ بعض احناف کے نزدیک قتل کی یہ سزا ذمیوں (دار الاسلام میں امان یافتہ غیر مسلم) کو شرعاً نہیں دی جائے گی، بلکہ سیاستاً (مصلحتاً) دی جائے گی۔ لیکن اس سلسلے میں بھی اس جرم کی اساس حنفیہ میں محاربہ وغیرہ کو قرار نہیں دیا گیا۔

① اس مسئلہ کی وضاحت مولانا مفتی رفیع عثمانی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

"[جہاں تک ذمی کا تعلق ہے تو] امام مالک، اہل مدینہ، امام احمد بن حنبل، فقہاے حدیث، خود امام شافعی کے نزدیک ذمی کو بھی مسلمان کی طرح توہین رسالت کی وجہ

1 اہل الملل والردۃ از امام خلال: ۲/ ۳۳۹

سے قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی کے اصحاب کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ جہاں تک امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے تو وہ یہ کہ توہین رسالت کا مرتکب اگر ذمی ہے تو پہلی دفعہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ امام اس پر مناسب تعزیر جاری کرے گا، البتہ اگر وہ جرم کا ارتکاب مکرر کرے، تو اس صورت میں اس کو قتل کیا جائے گا۔"[2]

② ذمی کے بارے احناف کا موقف، امام طحاوی کی زبانی، علامہ ابن تیمیہ نے یوں بیان کیا ہے، جسے نامور حنفی فقیہ قاضی ابن عابدین شامی نے بھی ذکر کیا ہے:

وأما أبو حنيفة وأصحابه فقالوا: لا ينتقض العهد بالسبّ، ولا يقتل الذمي بذلك، لكن يعزر على إظهار ذلك... وحكاه الطحاوي عن الثوري

"امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا کہنا ہے کہ ذمی کا عہد نبی ﷺ کو گالی دینے سے نہیں ٹوٹتا اور اس بنا پر ذمی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ تاہم اس کی سزا اس کو دی جائے گی.... اور یہی موقف طحاوی نے ثوری سے بھی نقل کیا ہے۔"[3]

قاضی ابن عابدین شامی ذمی کو قتل کرنے کا جواز پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو يدلّ علىٰ جواز قتله زجرًا لغيره إذ يجوز الترقي في التعزير إلىٰ القتل[4]

"اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دوسروں کو ڈرانے کے لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے، اس لئے کہ تعزیر قتل تک ہو سکتی ہے۔"

③ علمائے احناف کا ذمی کے بارے میں موقف یہ ہوا کہ اس کو شرعاً قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ سیاستاً (مصلحتِ عامہ یا حاکم کے اختیار) کے طور پر اس کو قتل کیا جائے گا۔ یہ موقف اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض حنفی علما کے نزدیک توہین رسالت کا جرم، ذمی کا

---

۱ ذمی کے مسئلہ پر حنفیہ کے موقف کے تناظر میں قرآنِ کریم، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ ؓ کی دلالت نہایت صریح ہے، تاہم یہ موضوع ہمارے دائرہ بحث سے باہر ہونے کی بنا پر ایک مستقل بحث کا متقاضی ہے۔

۲ مجلّہ مذکور: ص ۱۹

۳ الصارم المسلول: ۱/۱۷

۴ ردالمحتار یعنی حاشیہ ابن عابدین: ۶/۲۳۰

معاہدۂ امان نہیں توڑتا، لیکن یاد رہے کہ اوّل تو متعدد حنفی علما کے نزدیک ذمّی کا معاہدہ امان اس سے ٹوٹ جاتا ہے، ثانیاً معاہدہ امان نہ ٹوٹنے کا لازمہ یہ نہیں کہ اُس کو قتل نہ کیا جائے، بلکہ معاہدۂ امان ٹوٹ جانے سے ان بعض احناف کی مراد یہ ہے کہ حربی شخص کی طرح اس ذمی کا مال، مالِ غنیمت اور ذمی خواتین، لونڈیاں نہیں بن جاتیں، بلکہ ذمی کے جرمِ سرقہ کی طرح اس کی سزا کیلیے مجرم ذمی کو ہی دی جائے گی، اس کے اموال وخاندان کو نہیں، اس بنا پر اس جرم کو ذمی کے مال وکنبہ کے معاہدہ امان ٹوٹنے کے مترادف نہ سمجھا جائے۔ جیسا کہ خیر الدین رملی حنفی لکھتے ہیں:

لا يلزم من عدم النقض عدم القتل[1]

"عہد امان نہ ٹوٹنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس ذمّی کو سزا قتل نہیں دی جائیگی۔"

◉ علامہ ابن سبکی فرماتے ہیں:

لا ينبغي أن يفهم من عدم الانتقاض أنه لا يقتل فإن ذلك لايلزم[2]

"معاہدہ نہ ٹوٹنے سے اس کا قابل قتل نہ ہونے کا مفہوم لینا درست نہیں، نقض عہد کا یہ لازمہ نہیں۔"

◉ علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی، دورِ نبوی میں بعض شاتم ذمیوں کے قتل سے استدلال کرتے ہوئے، معاہدہ امان نہ ٹوٹنے کے نکتہ کی مزید وضاحت کرتے ہیں:

فإن النبي لم يجعل أموال هؤلاء فيئًا للمسلمين[3]

"نبی کریم نے [ذمّی] شاتمان کے اموال کو مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت نہیں بنایا۔"

غرض جس شخص نے حنفیہ کے اس موقف سے یہ سمجھا ہے کہ احناف کے ہاں ذمّی شاتم رسول کی سزا قتل نہیں، اس نے بڑی غلطی کی ہے، جیسا کہ اس کی پرزور تردید علامہ ظفر احمد عثمانی نے اپنی کتاب 'اعلاء السنن' میں امام ابن حزم کا جواب دیتے ہوئے کی ہے۔ یاد رہے کہ علامہ عثمانی تھانوی کی کتاب 'اعلاء السنن' پاکستان میں علماے دیوبند کے انتہائی معتمد عالم مولانا اشرف علی تھانوی کے افادات سے ماخوذ ہے۔ علامہ عثمانی کا یہ موقف بلاتبصرہ

---

۱ ردالمحتار علی الدر المختار یعنی حاشیہ ابن عابدین: ۴/ ۲۱۵

۲ البحر الرائق: ۱۳/ ۴۵۸

۳ اعلاء السنن: ۱۲/ ۵۰۷

حسبِ ذیل ہے:

ومِمن فهم من عدم الانتقاض عدم القتل محدث الأندلس – العلامة ابن حزم الظاهري – فنسب إلى الحنفية القول بعدم القتل من سبّ الله ورسوله وجعل يطعنهم ويرميهم بكل سوء. ولم يدر أن الآفة في ذلك من عنده لا من عندهم، وهذا هو اللائق بظاهريته حيث قال: "وقال سفيان وأبو حنيفة وأصحابه: إن سب الذمي الله تعالىٰ أو رسوله ﷺ بأي شيء سبه فإنه لا يقتل لكن ينهى عن ذلك وقال بعضهم: يعزر(١١/ ٤١٥)"

فقوله: "إنه لا يقتل" كذب عليهم، وإنما قالوا: لا ينتقض العهد به ولا يلزم منه عدم القتل وكذا قوله: "وقال بعضهم: يعزر" خطأ فإنهم صرحوا قاطبة بأنه يعزر على ذلك ويؤدب كما مرّ. والتعزير عندنا يعمّ الضرب والقتل جميعًا وهو مفوّض إلى رأي الإمام، ويسمّي القتل سياسةً وإن سلمنا أنهم قالوا: لا ينتقض العهد بذلك ولا يقتل به فليس معناه أن يتركهم الأمام وهم يسبون الله والرسول ويطعنون في ديننا، في دارنا. كما فهمه ابن حزم وغيره من أهل الظاهر من قلة فهمهم وعدم تدبرهم في كلام علمائنا. بل معناه: أن العهد لا ينتقض بذلك وعلىٰ الإمام أن ينبذ إليهم علىٰ سواء إذا آذونا في الله وفي الرسول وطعنوا في ديننا فإن الجهاد ماض إلىٰ يوم القيامة، صرح به الشامي نقلا عن أئمتنا (٣/ ٤٣٠)[1]

"محدثِ اندلس علامہ ابن حزم ظاہری نے جو ذمی کے معاہدۂ امن نہ ٹوٹنے سے اس کی سزائے قتل کا نہ ہونا مراد لیا ہے اور اس موقف کو حنفیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے شاتم کو قتل کی سزا نہیں دیتے اور اس بنا پر اُنہوں نے حنفیہ کو مطعون کیا اور برا بھلا کہا ہے۔ حالانکہ وہ حنفی موقف کو سمجھے ہی نہیں، یہ موقف اُن کے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے نہ کہ حنفیہ کی غلطی کا۔ اور ان کی ظاہریت کو یہی لائق ہے جب اُنہوں نے یہ بات کہی کہ "سفیان، ابو حنیفہ اور ان

1 اعلاء السنن: ۵۰۶/۱۲

کے متبعین کا کہنا ہے کہ ذمی کا اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینا، جس چیز سے بھی وہ دشنام طرازی کرے، تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو اس فعل بد سے روکا جائے گا، اور بعض نے کہا کہ اس جرم کی اس کو سزا دی جائے گی۔''

امام ابن حزم کا یہ کہنا کہ ذمی کو قتل نہیں کیا جائے گا، حنفیہ پر تہمت ہے۔ حنفیہ نے تو یہ کہا کہ اس سے ذمی کا عہد ٹوٹتا نہیں ہے اور نہ ہی اس سے عدمِ قتل لازم آتا ہے۔ اسی طرح ابن حزم کا یہ کہنا کہ بعض حنفیہ نے کہا کہ اس کو سزا دی جائے گی، بھی غلط ہے کیونکہ ان تمام نے یہ صراحت کی ہے کہ اس کو تعزیر بھی دی جائے گی اور اس کی تادیب بھی ہوگی جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ یاد رہے کہ تعزیر حنفیہ کے ہاں ضرب اور قتل دونوں کو شامل ہے۔ البتہ یہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔ اور اسے سیاستاً قتل کرنا کہتے ہیں۔ اور بالفرض ہم مان لیں کہ ہم (حنفیہ) نے کہا ہے کہ اس سے عہد امان نہیں ٹوٹے گا اور نہ ہی اسے قتل کیا جائے گا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حاکم اُنہیں آزاد چھوڑ دے گا کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور ہمارے دین میں طعنہ زنی کرتے پھریں جیسا کہ ابن حزم اور دیگر علمائے ظاہر نے قلتِ فہم اور ہمارے علما کی رائے پر عدمِ تدبر کی بنا پر ہمارا یہ موقف سمجھ لیا ہے۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس بنا پر ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا، اور حاکم اسلام کو چاہئے کہ جب وہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ان کے دین کے بارے میں طعنہ زنی کریں تو حاکم ان سے پوری طرح نمٹے [یعنی جنگ کرے] کیونکہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ ہے وہ موقف جس کی صراحت امام ابن عابدین شامی نے ہمارے ائمہ حنفیہ سے کی ہے۔''

④ شتم رسول کو نقض عہد نہ ماننے والے احناف کا موقف یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ذمی علانیہ شتم رسول کا ارتکاب کرے تو اس کو سزائے قتل دی جائے۔ ابن کمال باشا لکھتے ہیں:

والحق أنه يقتل عندنا إذا أعلن بشتمه ﷺ صرح به في سير الذخيرة حيث قال: واستدل محمد لبيان قتل المرأة إذا أعلنت بشتم الرسول ﷺ بما روي أن عمير بن عدي ... مدحه على ذلك[1]

''حق بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ذمی کو قتل کیا جائے گا، جبکہ وہ نبی کریم ﷺ کو

1 اعلاء السنن: ۱۲/۵۰۵

علانیہ گالی دے، اور 'سیر الذخیرہ' میں اس کی صراحت مصنف نے یوں کی ہے کہ امام محمدؒ نے علانیہ شتم رسول کی مرتکب عورت کو قتل کرنے میں عمیر بن عدی کے عصما بنتِ مروان کو رات کے وقت قتل کرنے سے استدلال کیا ہے۔"[1]

◉ امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی (متوفی:۱۸۹ھ) فرماتے ہیں:

قال محمّد في السير الكبير وكذلك إن كانت تعلن بشتم رسول الله ﷺ فلا بأس بقتلها[2]

"امام محمد نے السیر الکبیر میں فرمایا ہے کہ اور اسی طرح عورت رسول اللہ کو علانیہ گالی دے تو اس کے قتل میں کوئی حرج نہیں۔"

◉ علامہ شہاب الدین شلبی لکھتے ہیں: إذا أظهره يقتل[3]

"جب ذمی علانیہ گستاخی کا ارتکاب کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔"

◉ علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی لکھتے ہیں:

وبالجملة فلا خلاف بين العلماء في قتل الذمي أو الذمية إذا أعلن بشتم الرسول أو طعن في الإسلام طعنًا ظاهرًا[4]

"مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ذمی مرد یا ذمیہ عورت جب نبی کریم ﷺ کو علانیہ گالی دے یا دین اسلام میں طعن کرے تو فقہاے احناف میں اس کی سزاے قتل میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

گویا شتم رسول کو ذمی کے لئے نقض عہد نہ ماننے والے سزاے قتل کو رفع نہیں کرتے، جبکہ شتم رسول کا اظہار کرنے والے ذمی کی سزاے قتل پر جملہ فقہاے احناف کا اتفاق ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ شتم رسول جب تک دو مسلمان گواہوں کے سامنے نہ ہو اور کمرے کے اندر خاموشی سے ہو تو شتم رسول کا جرم ہی ثابت نہیں ہوا، جب یہ جرم ظاہر ہو کر دو مسلمانوں کے علم میں آجائے اور مسلم عدالت میں پہنچ جائے تو یہ شتم رسول کا اظہار ہے۔

1 رسائل ابن عابدین: ص ۲۵۵
2 اعلاء السنن: ۱۲/ ۵۰۵
3 حاشیہ تبیین الحقائق: ص ۲۸۱
4 اعلاء السنن: ۱۲/ ۵۰۵

اور اس ثبوتِ جرم کے بغیر کوئی بھی شتم رسول کے مبینہ ملزم کو سزا دینے کا قائل نہیں ہے۔

اوپر کی بحث سے واضح ہوا کہ ذمی کے بارے میں ان احناف کا موقف جو اسے نقض عہد نہیں مانتے، تعبیر کی حد تک ہی مختلف ہے، اگر اسے ان دونوں نکات (سزائے قتل کا عدم رفع اور اظہار سے مشروط) کو مانا جائے تو پھر ذمی کے باب میں ان کا موقف پوری اُمت کے ساتھ ہی ہے۔ مزید یہ بھی پتہ چلا کہ مسلمان شاتم کے واجب القتل ہونے کی حد تک تو ویسے ہی احناف اجماعِ امت میں داخل ہیں۔ اور ذمی کے بارے میں، اگر پاکستان کے غیر مسلموں کو بالفرض ذمی مان بھی لیا جائے تو ان کو سزائے قتل نہ دینا فقہ حنفی کے خلاف ہر گز نہیں ہے کیونکہ فقہ حنفی میں ذمی کے لئے بھی سزائے قتل موجود ہے جیسا کہ مذکورہ اقوال اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی علامہ ابن حزم پر تنقید سے بالکل واضح ہے۔

⑤ ابھی تک ان احناف کا موقف گزرا ہے جو ذمی کے لئے سبِ رسول کو نقض عہد نہیں مانتے، لیکن احناف میں اکثریت اُن کی ہے جو اُسے نقض عہد تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ ایسے حنفیہ کے موقف میں اساس کے لحاظ سے ہی جمہور علما کے ساتھ کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ یہ اکثر ونامور حنفی فقہا جمہور اہل علم کی طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ ذمی کو بھی تعزیر کی بجائے قتل کی سزا ہی دی جائے اور اس فعل بد سے اُس کا عہدِ امان ٹوٹ جائے گا جیسا کہ امام ابو بکر جصاص حنفی (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

وقال الليث في المسلم يسب النبي ﷺ إنه لا يُناظر ولا يُستتاب ويُقتل مكانه... وظاهر الآية يدل على أن من أظهر سبّ النبي ﷺ من أهل العهد فقد نقض عهده[1]

”لیث بن سعد نے آپ ﷺ کو گالی دینے والے مسلمان کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مناظرہ و مباحثہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا بلکہ اسے اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا۔... آیت مذکور ﴿ وَإِن نَّكَثُوٓا أَيْمَٰنَهُم... ﴾ کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ معاہدین میں جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی گستاخی کو ظاہر کیا، گویا اس نے اپنا عہد توڑ دیا۔“

1 احکام القرآن: ۳/۲۷۵

⑥ ذمی کے بارے یہی موقف علامہ عینی نے بھی اختیار کیا ہے کہ اس کو بھی قتل کیا جائے:
ولٰكنّ أنا معه في جواز قتل الساب مطلقًا[1]
"تاہم میں مطلقاً ہر شاتم رسول کو قتل کرنے کے حق میں ہوں۔"
واختياري في السب أن يقتل[2] وتبعه ابن الهمام[3]
"میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ حضور ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے۔ اور اس موقف میں ان کی پیروی ابن ہمام نے بھی کی ہے۔"
امام ابو بکر جصاص اور علامہ بدر الدین عینی کے دیگر اقوال اسی شمارے کے صفحہ نمبر ۸۳،۹،۷ پر بھی ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

⑦ علامہ شہاب الدین آلوسی بعض احناف کے اِس موقف پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
والقول بأن أهل الذمة يقرون على كفرهم الأصلي بالجزية وذا ليس بأعظم منه فيقرون عليه بذلك أيضًا وليس هو من الطعن المذكور في شيء ليس من الانصاف في شيء. ويلزم عليه أن لا يعزروا أيضًا كما لايعزرون بعد الجزية علي الكفر الأصلي ولعمري بيع يتيمة الوجود ﷺ بثمن بخس[4]
"یہ کہنا کہ چونکہ جزیہ کی ادائیگی کے بعد اہل ذمہ کو ان کے کفر اصلی پر قائم رہنے کی اجازت دی جاتی ہے اور سب وشتم اس کفر سے بڑا نہیں ہے، اس لئے انہیں اس پر بھی قائم رہنے دیا جائے گا، انصاف سے بالکل بعید بات ہے۔ اس صورت میں تو یہ لازم آئے گا کہ جیسے انہیں جزیہ ادا کرنے کے بعد انکے کفر اصلی پر کوئی تعزیر نہیں کی جاتی، اسی طرح سب وشتم پر بھی کوئی تعزیر نہ کی جائے۔ واللہ! یہ تو کائنات کے درِّ یتیم ﷺ کو نہایت حقیر قیمت کے عوض فروخت کر دینے کے مترادف ہے۔"

⑧ امام محقق ابن ہمام حنفی (م ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:
وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّ سَبَّهُ ﷺ أَوْ نِسْبَةَ مَا لَا يَنْبَغِي إِلَى اللهِ تَعَالَى إِنْ كَانَ

1 عمدۃ القاری: ۱۳/ ۱۷، دوسرا نسخہ: ۱۹/ ۴۳۸
2 ردّ المحتار: ۶/ ۳۳۳
3 اعلاء السنن: ۱۲/ ۵۱۴
4 روح المعانی: ۱۰/ ۵۹،۵۸

مِمَّا لَا يَعْتَقِدُونَهُ كَنِسْبَةِ الْوَلَدِ إِلَى اللهِ تَعَالَى وَتَقَدَّسَ عَنْ ذٰلِكَ إِذَا أَظْهَرَهُ يُقْتَلُ بِهِ وَيُنْتَقَضُ عَهْدُهُ[1]

"میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ ذمی نے اگر حضور ﷺ کی اہانت کی یا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی طرف غیر مناسب چیز منسوب کی جو ان کے اعتقادات سے خارج ہے۔ جب وہ ان چیزوں کا اظہار کرے تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کردیا جائے گا۔"

علامہ ابن ہمام کا ایک قول پیچھے نمبر ۵ کے تحت بھی گزر چکا ہے، وہاں اُنہوں نے اس جرم کو مستقل حد قرار دیتے ہوئے واجب القتل قرار دیا اور اس کی توبہ کی عدم قبولیت کا موقف پیش کیا تھا، اسی بنا پر وہ یہاں ذمّی کے لئے اس جرم کو نقض عہد اور وجوبِ قتل کی بنیاد قرار دے رہے ہیں۔ اظہار کا مفہوم یہاں وہی ہے جو ثبوتِ جرم کا تقاضا ہے۔

⑨ فتاویٰ بزازیہ کے مؤلف شیخ محمد بن شہاب ابن البزاز حنفی (متوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں:

إذا سبّ الرسول ﷺ أو واحدًا من الأنبياء فإنه يقتل حدًا فلا توبة له أصلًا سواءً بعد القدرة عليه والشهادة أو جاء تائبًا من قبل نفسه كالزنديق لأنه حدّ وجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين كحد القذف لا يسقط بالتوبة بخلاف ما إذا سب الله تعالىٰ ثم تاب لأنه حق الله تعالىٰ ولأن النبي عليه السلام بشر والبشر جنس يلحقهم المعرة إلا من أكرمهم الله تعالىٰ والباري منزه عن جميع المعايب وبخلاف الارتداد لأنه معنى يتفرد المرتد لا حق فيه لغيره من الآدميين ولكنه قلنا إذا شتمه عليه الصلوة والسلام لا يعفى ويقتل أيضا حدًّا وهذا مذهب أبي بكر الصديق رضي الله عنه والأمام الأعظم والثوري وأهل الكوفة والمشهور من مذهب مالك وأصحابه[2]

"جب کوئی بدبخت رسول کریم ﷺ یا کسی نبی کی گستاخی کرے، تو اس کو بطورِ حد قتل کردینا واجب ہے۔ اس کی اصلاً کوئی توبہ قابل قبول نہیں، چاہے اس کو پکڑ کرلایا

۱ شرح فتح القدیر: ۱۳/ ۲۰۵، دوسرا نسخہ ۵/ ۳۰۳
۲ فتاویٰ بزازیہ: ۳/ ۳۲۲

جائے، یا اس کے خلاف گواہی دی جائے یا وہ خود توبہ کرکے آپہنچے، مثل زندیق کے۔ کیونکہ اس پر حد واجب ہوگئی جو انسانوں کے دیگر حقوق کی طرح محض توبہ سے ختم نہیں ہوجاتی۔ جیسا کہ تہمت طرازی کی حد ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ برخلاف اللہ کی گستاخی کے، کیونکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے۔ جبکہ نبی بشر ہیں اور بشر کو شرم وعار لاحق ہوسکتی ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ عزت دے اور باری تعالیٰ خود تو ہر قسم کے عیوب ونقائص سے بالاتر ہیں۔ اور برخلاف ارتداد کے بھی کیونکہ ارتداد میں انسان کسی دوسرے انسان کا حق متاثر نہیں کرتا۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرے گا، اس کو معاف نہیں کیا جائے گا اور اس کو حد کے طور پر قتل کردیا جائے گا۔ یہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام اعظم، ثوری، اہل کوفہ کا موقف ہے اور امام مالک اور ان کے شاگردوں سے مشہور موقف بھی یہی ہے۔"

⑩ امام خیر الدین رملی حنفی (م ۹۹۳ھ) کا قول شمارہ ہذا کے صفحہ نمبر ۸۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

⑪ امام ابوعباس احمد ناطفی[1] حنفی (م ۴۴۶ھ) نے اپنی کتاب 'الاجناس فی الفروع' میں لکھا ہے:

أما إذا سبّ رسول الله ﷺ أو واحدًا من الأنبياء عليهم السلام يقتل حدًّا ولا توبة له أصلا سواء بعد القدرة والشهادة أو جاء تائبًا من قبل نفسه كالزنديق لأنه حد وجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين وكحد القذف لا يزول بالتوبة بخلاف من سبّ الله تعالىٰ ثم تاب لأنه حق الله تعالىٰ والباري تعالىٰ منزه عن جميع المعايب وبخلاف الارتداد لأنه يتفرد به المرتد لا حق فيه لغيره من الآدميين ولهٰذا قلنا إذا شتمه ﷺ لا يُعفى ويُقتل أيضًا حدًّا وهذا مذهب أبي بكر الصديق رضي الله عنه والإمام الأعظم والثوري وأهل الكوفة رضوان الله عليهم والمشهور من مذهب المالك وأصحابه رحمهم الله[2]

"جو شخص بھی رسول اللہ یا کسی نبی کو دشنام طرازی کرے، تو اس کو حد کے طور پر

۱ تعارف کے لئے دیکھیں: کشف الظنون از حاجی خلیفہ ۱/۱۱

۲ حسب المفتین از قاضی عبد المعالی بن خواجہ البخاری من علماء القرن العاشر الہجری: ۲/۳۳۶

قتل کیا جائے گا اور اس کی کوئی توبہ نہیں، چاہے پکڑے جانے کے بعد ہو یا گواہیوں کے بعد یا وہ از خود توبہ تائب ہو کر پیش ہو جائے، زندیق کی طرح۔ کیونکہ اس پر حد واجب ہو گئی جو اکیلی توبہ سے ساقط نہیں ہو گی، جس طرح انسانوں کے دیگر حقوق کا معاملہ ہے اور جس طرح تہمت کی حد کا مسئلہ ہے جو توبہ سے ختم نہیں ہو جاتی۔ برخلاف اس شخص کے جس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی تو اللہ سے توبہ کر کے وہ اللہ کے حق کو ادا کر دیتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ در حقیقت تمام عیوب سے مبرا و منزہ ذات باری ہے (یعنی اللہ کی گستاخی کرنے والا توبہ کر کے اپنے آپ سے دنیوی حد کو ساقط کرا سکتا ہے)۔ اور برخلاف اس شخص کے بھی جو مرتد ہو گیا [تو وہ توبہ کر کے اپنے آپ سے سزا کو ساقط کر سکتا ہے] کیونکہ ارتداد میں انسانوں کا کوئی حق مجروح نہیں ہوا۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جس نے نبی کریم کی گستاخی کی اسے معاف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اب آپ کا حق معاف نہیں ہو سکتا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام اعظم ابو حنیفہ، امام ثوری، اہل کوفہ رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے اور امام مالک اور ان کے متبعین کا بھی یہی موقف مشہور ہے۔"

⑭ تفسیر قرطبی کے مصنف امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی رقم طراز ہیں:

أكثر العلماء علىٰ أن من سب النبي ﷺ من أهل الذمة أو عرض واستخف بقدره أو وصفه بغير الوجه الذي كفر به فإنه يقتل[1]

"اکثر علما کا کہنا ہے کہ اہل ذمہ میں سے جو شخص نبی ﷺ کو گالی دے یا تعریض کرے یا آپ کی قدر ہلکی جانے یا اپنے کفر کے علاوہ کسی چیز سے آپ کو موصوف کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ ہم اسے ذمہ یا عہد و پیمان نہیں دے سکتے۔"

اوپر کے چار اقوال نمبر ۵ تا ۸ میں نہ صرف یہ کہ ذمی کے لئے شتم رسول کے بعد نقض عہد کے موقف اختیار کیا گیا ہے بلکہ بعد میں ۹ تا ۱۱ اقوال میں اس جرم کو براہ راست حد قرار دیتے ہوئے، اُس کے ناقابل معافی ہونے کی شرعی توجیہات بھی پیش کی گئی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ آخری موقف جس حنفی فقیہ نے اختیار کیا ہے اور اسے امام ابو حنیفہ سے بھی منسوب قرار دیا ہے، ان کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا وسط ہے۔ اور بعد میں خیر الدین رملی

1 الجامع لاحکام القرآن: ۸ر ۵۴

اور ابن بزاز نے جن الفاظ میں اسے اختیار کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے استدلال ورجحان کا محور یہی موقف ہے جو پانچویں صدی ہجری سے فقہ حنفی میں مشہور ہے۔

دراصل شتم رسول کے بارے میں یہ نکتہ اساسی حیثیت رکھتا ہے کہ یہ جرم ارتداد وعقوقِ والدین وغیرہ کی طرح محض گناہ نہیں بلکہ زنا، سرقہ اور تہمت جیسے جرائم کی طرح ایک قابل سزا جرم بھی ہے۔ کیونکہ اس میں ذاتِ نبوت ﷺ پر اتہام طرازی کی گئی ہے جو ان پر جنایت (زیادتی) کے مترادف ہے۔ ذاتِ نبوت پر جنایت کے ذریعے پوری اُمتِ اسلامیہ کے دل بھی چھلنی کئے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے شتم رسول کے جرم میں اللہ کا حق، رسول اللہ کا حق اور اُمت کا حق، متاثر ہوتے ہیں۔[1]

آخری اقوال میں نہ صرف اس کی قانونی علت پیش کی گئی بلکہ اس جرم کے براہِ راست ارتداد نہ ہونے اور اس کے کلی مماثل نہ ہونے کی نفی بھی کی گئی ہے اور یہی شرعِ اسلامی کا اصل و حقیقی موقف ہے۔ یعنی یہ سنگین جرم پہلے حق نبوت میں ڈاکہ زنی کی بنا پر قابل سزا شرعی حد ہے۔ اس کے بعد اس کی شناعت وشدت کا یہ عالم ہے کہ شاتم کو ارتداد کی طرف لے جاتا ہے۔ جن علما نے اس کو سیدنا ابو بکر صدیق کے موقف کی طرح براہِ راست حد اور قابل سزا بتایا، ان کا موقف کھرا ہے اور جنہوں نے اس کو ارتداد قرار دیا ہے، ان کے موقف میں قدرے گنجائش پائی جاتی ہے۔ پھر وہ اسے محض ارتداد بنا کر، مرتد کی توبہ کا مسئلہ لے آتے یا ذمی کا معاملہ کھول لیتے ہیں کیونکہ مرتد کی سزا مسلمان کے لئے ہی ہوتی ہے اور ذمی پر لاگو نہیں ہوتی۔

واضح رہے کہ شتم رسول کے مسئلہ میں ارتداد سے انکار نہیں بلکہ یہ ارتداد کی بدترین صورت ہے کیونکہ اس میں ارتداد سے قبل ذاتِ گرامی ﷺ پر زیادتی بھی ہے۔ اس بنا پر ایسے مجرم کا کفر عام ارتداد سے زیادہ بڑا، زیادہ قبیح اور زیادہ شدید ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے السبّ أعظم من جرم المرتد[2]، قاضی ابن عابدین نے إن کفره أشنع، علامہ ابن

1 تفصیل کے لئے دیکھیں: 'مسئلہ توہین رسالت پر چند سوالات' از راقم: 'محدث' فروری ۲۰۱۱ء

2 امام ابن تیمیہ کے الفاظ ہیں: لم یُقتل لمجرّد الردّة، وإن السابّ وإن ارتدّ فلیس بمنزلة المرتد المحض، ان کی کتاب الصارم المسلول کے بعض عناوین ملاحظہ ہوں: سبّ الرسول أعظم من الردة،

نجیم حنفی نے 'ارتدادِ مغلظ' اور قاضی عیاض السبّ أقبح الثلاثة کے الفاظ استعمال کر کے اس کی نشاندہی کی ہے اور اسی کو 'ردہ عامہ' یا 'ردہ خاصہ' سے بھی تعبیر کیا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شتم رسول کو مستقل حد قرار دینا یا بعض احناف کے اسے ارتداد قرار دینے میں باہم مطابقت نکل آتی ہے اور بعد کے فقہاے احناف کی اس صراحت کے ذریعے حنفیہ کے ہاں اس سزا کی توجیہ و تعلیل میں موجود ظاہری اختلاف بھی رفع ہو جاتا ہے۔

⑬ 'حسب المفتین' کے مصنف، دسویں صدی کے حنفی عالم قاضی عبد المعالی لکھتے ہیں:

في شفاء القاضي عن أصحابنا وغيرهم من المذاهب الحق أن توبته لم تقبل وقتل بالإجماع[1]

''قاضی عیاض کی 'الشفا' میں ہمارے حنفی ساتھیوں اور دیگر فقہی مذاہب کا یہ موقف حق بیان ہوا ہے کہ اجماعی طور پر شاتم کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اور اس کو قتل کیا جائے گا۔''

شاتم کی قبولیتِ توبہ کا مسئلہ

یہاں تک ہونے والی بحث میں ذمی کے لئے نقض عہد کا مسئلہ پیش کیا گیا کہ جو حنفی فقہا اس کو نقض عہد قرار نہیں دیتے، وہ بھی ثبوتِ جرم کے بعد سزائے قتل کے رفع کے قائل نہیں ہیں اور جو اسے نقض عہد سمجھتے ہیں وہ تو بالاولیٰ شاتم ذمی کو واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا مسئلہ توبہ کی قبولیت و عدم قبولیت کا پیدا ہوتا ہے، اس بارے میں حنفی علما: بزازی، رملی، ابن نجیم اور ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہم کا موقف شاتم کی عدمِ قبول توبہ کا ہے جس کی فقہی اساسات بھی گزر چکی ہیں۔

قاضی ابن عابدین شامی نے کہا ہے کہ احناف میں فتاویٰ بزازیہ کے مؤلف شیخ محمد بن شہاب المعروف ابن البزاز (متوفیٰ ۸۲۷ھ) نے شاتم رسول کی توبہ کے مسئلے میں غلطی کھائی ہے اور اُنہوں نے حنفیوں کا موقف غلط ذکر کر دیا ہے، اور اس کے بعد اُن کی اس غلطی پر بعد میں آنے والے علماے احناف نے اسی غلط موقف کو اختیار کر لیا، حالانکہ قاضی شامی کی یہ

الدليل علىٰ أن السبّ جناية مفردة، إن السبّ جناية زائدة علىٰ كونه كفرًا وحربًا

1 حسب المفتین از قاضی عبد المعالی بن خواجہ البخاری: ۲/ ۳۳۷

بات درست نہیں کیونکہ

i. اوّل تو یہ موقف امام ابو حنیفہ کے شاگرد محمد بن حسن شیبانی نے بھی امام صاحب سے روایت کیا ہے، گویا امام محمد سے ہی یہ موقف احناف میں چلا آرہا ہے۔ اور صدرِ اوّل سے ہی احناف میں دو موقف موجود ہیں جیسا کہ اس بات کا تذکرہ قاضی شامی نے اپنی کتاب 'العقود الدریہ' میں بھی کیا ہے:

أَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ يَكْفُرُ فَإِنْ تَابَ تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ وَلَا يُقْتَلُ عِنْدَهُ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ الله[1]

"جو بھی نبی کریم کو سبّ و شتم کرے گا، وہ کافر ہو جائے گا، تاہم اگر وہ توبہ کرلے تو امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے ہاں اس کی توبہ قابل قبول ہو گی اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، جبکہ امام محمد بن حسن نے اس موقف سے اختلاف کیا ہے۔"

عدم قبولیت توبہ پر امام محمد کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ میں یہ اختلاف روزِ اوّل سے چلا آرہا ہے، نہ کہ یہ امام ابن بزاز کی روایت پر ہی موقوف ہے۔

ii. اگر قاضی ابن عابدین کے بقول اس موقف کو ابن بزاز کی غلطی ہی مانا جائے یا اَحناف میں اس موقف کا خالق ابن بزاز (م ۸۲۷ھ) کو ہی سمجھا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سے پانچ صدیاں قبل ابو بکر جصاص حنفی (م ۳۷۰ھ) نے ذمی کے نقض عہد کا موقف کہاں سے اختیار کیا؟ ان سے چار صدیاں قبل امام ناطفی (م ۴۴۶ھ) حنفی نے کیسے کہہ دیا کہ توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ ایسے ہی ابن بزاز سے کہیں زیادہ معروف ان کے معاصرین امام عینی (م ۸۵۵ھ) اور ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) کو بھی کیا ضرورت پڑی تھی کہ حنفی موقف خود دیکھنے کی بجائے وہ اپنے ایک معاصر کی رائے پر اکتفا کریں، جبکہ ابن ہمام کا تو لقب ہی احناف کے ہاں 'خاتمہ المحققین' ہے۔ اسی طرح ابن نجیم جنہیں احناف میں 'ابو حنیفہ ثانی' کا لقب دیا گیا ہے، اُنہیں کیوں کر یہ عظیم غلطی لگی؟ ظاہر ہے کہ یہ ان کے فہم اور تفقہ دین کی صلاحیت اور علمی مقام پر طعن طرازی ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔

[1] العقود الدرية في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱۸۲/۲

iii. جن حنفی فقہا کے بارے غلطی کا دعویٰ کیا گیا ہے، اُن کی اصل تحریروں کو دیکھا جائے تو اس سے بھی اس الزام کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ اُنہوں نے اس موقف کو یا تو براہِ راست استدلال کی بنا پر اختیار کیا ہے یا صدرِ اول سے چلے آنے والے اختلاف کی بنا پر... نامور حنفی فقہا مثلاً امام ابن ہمام (م ۸۶۱ھ)، ابن نجیم (م ۹۷۰ھ)، علامہ خسرو (م ۸۸۵ھ)، علامہ تمرتاشی اور شیخ خیر الدین الرملی وغیرہ نے اس موقف کو امام محمد سے لیا ہے۔ اور امام خیر الدین رملی اور امام آلوسی نے زبردست شرعی دلائل کی بنا پر اس فقہی موقف کو اختیار کیا ہے اور امام ابن ہمام نے بھی توبہ کی عدم قبولیت کی واضح صراحت کی ہے۔ یہ فقہا اس موقف کو امام ابو حنیفہ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فرمان کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ الغرض اس باب میں حنفی فقہا کی عظیم اکثریت جمہور علماءِ اُمت کے ہی ساتھ ہے۔

iv. حنفیہ کے بارے میں ہمارے اس موقف کو یہ بات بھی تقویت دیتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کسی صحابی کے قول کے خلاف رائے دینے کے قائل نہیں۔ جبکہ اس معاملہ میں صحابہ کا اجماع ہے، بالخصوص سیدنا ابو بکر صدیق اور متعدد صحابہ کا شتم رسول پر ذمی کے نقض عہد کے بارے میں صریح فرمان موجود ہے۔

v. احناف کا موقف سیدنا ابو بکر و عمر کی گستاخی کے بارے میں یہ ہے کہ اس کے مرتکب کی توبہ قبول نہیں، جب احناف کا موقف شیخین کے بارے میں اس قدر واضح ہے تو سید المرسلین ﷺ کے بارے میں بھی احناف کا موقف اس قدر پختہ ہی ہونا چاہئے۔ امام ابن نجیم حنفی کتاب السیر کے 'باب الردۃ' میں لکھتے ہیں:

كل كافر تاب فتوبته مقبولة في الدنيا والآخرة إلا جماعة: الكافر بسب نبي وبسب الشيخين أو أحدهما[1]

"ہر کافر کی توبہ دنیا اور آخرت میں قبول ہوسکتی ہے، مگر ایسا کافر جو نبی کریم ﷺ یا شیخین رضی اللہ عنہم کی گستاخی کرکے کافر ہو تو اس کی توبہ قابل قبول نہیں۔"

یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ ممدوح مضمون نگار حنفیہ کے موقف کی تعبیر کرتے ہوئے

1. الاشباہ والنظائر: ۱؍ ۲۱۵

ذمّیوں کی بجائے اگر غیر مسلموں کا لفظ استعمال کریں تو اس کو بھی حنفی موقف کی درست ترجمانی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بعض احناف کے موقف میں ذمّیوں کے لئے تو فرق پایا جاتا ہے غیر مسلموں کے لئے نہیں۔ غیر مسلم یعنی کفار کے لئے فقہائے احناف کا موقف بڑا واضح ہے جو اِن الفاظ میں صاحبِ 'در مختار' علامہ حصکفی حنفی نے بیان کیا ہے:

و (الكافر بسب نبي) من الأنبياء فإنه يقتل حدًّا ولا تقبل توبته مطلقًا ولو سبّ الله تعالى قبلت لأنه حق الله تعالى والأول حق عبد لا يزول بالتوبة ومن شك في عذابه وكفره كفر[1]

"جہاں تک شاتم نبوت یا کسی اور نبی کے گستاخ کافر کا تعلق ہے تو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا، اور مطلقاً اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ تاہم اگر وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کی توبہ مقبول ہو سکتی ہے کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جبکہ پہلے جرم میں بندے کا حق بھی شامل ہے جو توبہ سے زائل نہیں ہوتا۔ جو شخص کافر کی اس سزا اور اسکے کفر میں شک کرے تو وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔"

قاضی ابن عابدین شامی بھی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

والْكَافِرُ بِسَبِّ نَبِيٍّ مِنَ الْأَنبِيَاءِ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ حَدًّا وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ مُطْلَقًا[2]

"جہاں تک کسی کافر شاتم رسول کا معاملہ ہے تو اس کو حد کے طور پر قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی۔"

☜ یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ اگر بعض حنفی علما کے ذمیوں کے بارے میں موقف کو اختیار کیا جائے تو اس سے مسلم ممالک کی موجودہ صورتحال میں فقہی طور پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ فی زمانہ پاکستان میں غیر مسلم حضرات اپنے آپ کو ذمّی نہیں مانتے، وہ اس حیثیت کو قبول کرنے کی بجائے مساوی مقام کے دعویدار ہیں، اس بنا پر ان میں سے کوئی ایک بھی ذمہ ادا کرنے کے سوال سے ہی بھڑک اٹھتا ہے، جیسا کہ یہ بات واضح ہے۔ ان پر شرعاً کافر کے احکامات کا ہی اطلاق ہو گا جس کی سزا آپ اوپر ملاحظہ کر چکے ہیں۔

نوٹ: مذکورہ بالا فقہی اقوال میں استدلال کے لئے جب بعض عبارتوں کو پیش کیا گیا تو ان

1 الدر المختار از حصکفی: ۴/ ۲۳۲
2 رد المحتار علی الدر المختار: ۱۶/ ۲۸۱

میں بعض دوسرے جزوی رجحانات بھی نظر آتے ہیں جس سے قاری کو تشویش پیدا ہوتی ہے۔ دراصل کتاب وسنت، جو کلام ومرادالٰہی ہیں، میں یہ جزوی تعارض اس بنا پر آخر کار رفع ہوجاتے ہیں کہ وہ اصل شریعت ہیں اور وحی الٰہی پر مبنی ہیں، جبکہ فاضل اہل علم کی آرا کو کسی ایک مسئلہ پر بالکل یکجان کرکے پیش کرنا بعض اوقات ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مختلف اشخاص سے صادر ہونے کی بنا پر اُن کے رجحانات اور توجیہات میں حقیقی فرق موجود ہوتا ہے۔ ہر فقیہ اپنے طور پر کسی مسئلہ کی توجیہ کرتا اور اس میں ترجیح قائم کرتا ہے، اس لئے کتاب وسنت کے متون ومعانی جیسا کلّی فکری اتحاد فقہی عبارتوں میں تلاش کرنا مشکل ہے۔

کیا توہین رسالت کی سزا کی اساس محاربہ ہے؟

جملہ محدثین کرام، فقہائے عظام اور مضمون نگار کے موقف میں جو بنیادی فرق ہے، وہ یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے ہاں مسلمان شاتم رسول کی سزا کے قتل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کی یہ سزا بالاجماع ہے، اس میں کمی بیشی اور تکرار واظہار کا کوئی فرق نہیں ہے۔ تاہم ذمی کے بارے میں بعض حنفی فقہانے یہ تفصیل ضرور پیش کی ہے کہ تکرار واظہار کی بنا پر سیاستاً ومصلحتاً اس کی سزا قتل ہوگی، لیکن اس موقف میں آگے بڑی تفصیل ہے۔

جبکہ دوسری طرف مضمون نگار سرے سے اس جرم کی مقررہ سزا ہی نہیں مانتے بلکہ وہ موقف جو ذمی حضرات کے بارے میں بعض حنفی فقہا کی طرف منسوب ہے، اس کو اس مسئلہ میں اصل قرار دیتے ہوئے، اسی مسئلہ کو مسلمان وغیر مسلم تمام کے لئے یکساں سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر مضمون نگار کا یہ موقف اُمتِ مسلمہ کے اجماع سے صریح انکار کے مترادف ہے۔ اس موقف کو اختیار کرنے کی وجہ احادیثِ رسول اور اجماعِ صحابہ کی دلالت کو نظر انداز کرتے ہوئے، ان کی یہ تاویل کرنا ہے کہ احادیث میں یہ سزائیں تکرارِ جرم یا توہین رسالت کے ساتھ مزید جرائم مل جانے کی بنا پر یا جنگی سیاق میں دی گئی ہیں، ظاہر ہے کہ احادیث کے بارے میں ان کی یہ تاویل قطعاً درست نہیں۔

الغرض بعض حنفی علمانے ذمیوں کے لئے علیحدہ مسئلہ بیان کیا ہے لیکن موصوف نے اس فرق کو ذمیوں کے لئے مخصوص رہنے کی بجائے اس کو اصل مسئلہ کے تعین میں اساس کی حیثیت دے لی ہے اور ذمیوں کا موقف مسلمانوں کے ساتھ خلط ملط کرکے، اضطراب

وانتشار دکھا کر پورے مسئلہ کو ہی تبدیل کر دینے کی کوشش کی ہے۔

جب ان کے ہاں ایک استثنائی موقف، اصل مرکزی مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے تو اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے احادیث کی دلالت ختم کرنا اور ان کی توجیہ وتاویل کئے بنا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ ان کے نزدیک شتم رسول بذاتِ خود کوئی جرم نہیں بلکہ اس جرم کی سزا معاشرے میں انتشار وافتراق اور سماجی مصلحت کے پیش نظر ہی دی جائے۔ اس لئے اُنہوں نے اس کو محاربہ کی قبیل سے قرار دیا ہے جو دراصل فساد فی الارض کی روک تھام کے لئے ہوتا ہے۔

اس کو محاربہ قرار دینے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ اس طرح یہ جرم حدود سے نکل گیا کیونکہ محاربہ میں جرم کی نوعیت وکیفیت کے پیش نظر ایک سے زائد سزائیں موجود ہیں اور ایک مقررہ سزا نہ ہونے کی بنا پر بعض فقہا کے نزدیک محاربہ حد کے ذیل میں نہیں آتا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ محاربہ کی سزا کے ضمن میں محض جلاوطنی جیسی بے ضرر سزا بھی شامل ہے، جسے ان کے الفاظ میں 'شہری حقوق سے محرومی' بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ محاربہ کی صورت میں آسان سزائیں بھی ممکن ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ محاربہ کے تحت آنے کی بنا پر اس میں قرآنِ کریم سے توبہ کی گنجائش میسر آگئی۔ حالانکہ یاد رہنا چاہئے کہ محاربہ میں توبہ کی گنجائش قرآنی الفاظ کی رو سے مجرم کے عدالتی گرفت میں آنے سے پہلے پہل ہے، تاہم اس کے باوجود وہ اہانتِ رسول کو محاربہ قرار دے کر، بعد از گرفت بھی اس کو توبہ کا موقع دینے کی تجویز دے رہے ہیں جس کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

① آغاز میں مذکور احادیثِ رسول، اجماعِ صحابہ اور علماے امت کی متعدد تصریحات میں کہیں بھی اس جرم کی سزا کے لئے اُصولی طور تکرار وفساد کی شرط (ماسوائے ذمی) عائد نہیں کی گئی اور یہی بات سیدنا ابو بکر کے مذکورہ اُصولی واقعہ سے ثابت ہوتی ہے۔

② احادیثِ رسول میں توہین رسالت کے ضمن میں آنے والے واقعات میں، سزا دیتے وقت کبھی کسی حدیث میں محاربہ کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ نہ ہی پیچھے مذکور اقوال میں اسے محاربہ قرار دیا گیا ہے۔ محاربہ کی سزائیں تو ٹکڑے کر دیا جانا یا سولی دیا جانا، یا مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹ دینا یا جلاوطن کرنا ہیں۔ ظاہر ہے کہ توہین رسالت کے درجن سے زائد واقعات میں کہیں بھی ان میں سے کوئی سزا نہیں دی گئی بلکہ اُن کو موت کے گھاٹ

اُتارا گیا ہے۔ اس لئے اس کو فساد فی الارض میں شامل کرکے محاربہ کا دعویٰ کرنا بالکل فضول سی بات ہے۔[1]

③ اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ہے جس میں اُنہوں نے نبی ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے والے منافق کی گستاخی کی سزا، اس کو قتل کرکے دی تھی:

لا تعجلا حتى أخرج إليكما فدخل فاشتمل على السيف وخرج فقتل المنافق ثم قال: هٰكذا أقضي بين من لم يرض بقضاء رسول الله. فأتى جبريل رسول الله ﷺ فقال: إن عمر قد قتل الرجل وفرق الله بين الحق والباطل على لسان عمر. فسُمِّي الفاروق[2]

"میرے آنے سے قبل نکل مت جانا۔ پھر حضرت عمر تلوار لے کر اور منافق کو قتل کردیا، پھر فرمایا: اس کے بارے میرا فیصلہ یہ ہے جو رسول اللہ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا۔ پھر حضرت جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ عمر نے اس کو قتل کردیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان سے حق اور باطل کا فیصلہ کردیا ہے۔ اس بنا پر عمر کا نام 'فاروق' رکھ دیا گیا۔"

یہ واقعہ ابن لہیعہ کے ضعیف طریق کے علاوہ ابو مغیرہ اور شعیب بن شعیب کے صحیح طریق سے بھی مروی ہے[3]، اس بنا پر حافظ ابن کثیر اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اسے قابل اعتبار قرار دیا ہے، علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب میں اس واقعہ کے تذکرہ کے بعد لکھتے ہیں:

وهٰذا المرسل له شاهد من وجه آخر يصلح للاعتبار[4]

"دیگر شواہد کی بنا پر اس مرسل روایت پر اعتبار کرنا درست ہے۔"

دیکھئے کہ اس واقعہ میں بھی شانِ نبوت میں گستاخی کی سزا کے لئے تکرار کی کوئی شرط پیش نہیں کی گئی اور اس سے مزعومہ موقف کی بخوبی تردید ہوتی ہے۔

---

1 یاد رہے کہ جب مولانا اصلاحی نے رجم کا انکار کرکے اس کو محاربہ کے تحت داخل کیا تھا تو اُنہوں نے سنگساری کو تقتیل کا مصداق قرار دیا تھا۔ (تدبر قرآن: ۲/۲۷۷)، لیکن مضمون نگار تک آتے آتے اب اس تاویل کی بھی شاید کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔

2 الدر المنثور: ۲/۵۸۶، عمدۃ القاری: ۱۲/۲۰۳ فقال النبي لعمر: « أنت الفاروق » (تفسیر رازی: ۵/۲۵۸)

3 مسند الفاروق: ۲/۸۷۶ بحوالہ اقضیۃ الخلفاء الراشدین: ۲/۱۱۸۸

4 الصارم المسلول: ۱/۴۳

④ پیچھے سیدنا ابو بکر و عمر کی احادیث گزر چکی ہیں، اس طرح صحابہ کرام کے بہت سے اُصولی فرامین بھی موجود ہیں، جن کی استنادی حیثیت معیاری نہیں، تاہم ان سے شریعت کے رجحان کا علم ضرور ہوتا ہے:

i. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أُتي عمر برجل سبّ النبي ﷺ فقتله، ثم قال عمر: من سبّ الله أو سبّ أحدًا من الأنبياء فاقتلوه[1]

"حضرت عمر بن خطاب کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی کی تھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔"

ii. سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«من سبّ نبيا قُتل ومن سبّ أصحابه جُلِد»[2]

"جس نے کسی نبی کو گالی دی تو اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے آپ کے صحابہ کو گالی دی تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔"

iii. سیدنا علی بن ابی طالب کا فرمان ہے:

"جس نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی، اس کی گردن ماردی جائے۔"[3]

iv. دورِ عمر کا ایک ایمان افروز واقعہ یوں ہے:

أن غلمانا من أهل البحرين خرجوا يلعبون بالصوالجة، وأسقف البحرين قاعد فوقعت الكرة على صدره فأخذها، فجعلوا يطلبونها منه فأبى، فقال غلامهم: سألتك بحق محمد ﷺ إلا رددتها علينا، فأبى -لعنه الله- وسب رسول الله، فأقبلوا عليه بصواليجهم، فما زالوا يخبطونه حتى مات، فرفع ذلك إلى عمر بن الخطاب، فوالله ما فرح بفتح ولا غنيمة كفرحه بقتل الغلمان

---

۱ کنز العمال ۳۴۵۲۶ وسندہ صحیح، الصارم المسلول:۲۰۱

۲ الصارم المسلول:۱/۹۸

۳ مصنف عبد الرزاق:۵/۳۰۸

لذلك الأسقف، وقال: الآن عز الإسلام، إن أطفالا صغارًا شُتم نبيهم، فغضبوا له وانتصروا

"اہالیانِ بحرین کے بچے باہر نکل کر صوالجہ (ہاکی جیسا) کھیل رہے تھے اور بحرین کا بڑا پادری وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک گیند اس کے سینے پر جا لگا تو اس نے اسے پکڑ لیا، بچے اس سے گیند مانگنے لگے، اس نے دینے سے انکار کر دیا اور نبی کریم کو بھی گالی دی۔ سارے بچے مل کر اپنی کھیل کی لاٹھیوں کے ساتھ اس پر پل پڑے اور اس کو اس وقت زدوکوب کرتے رہے حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ یہ قضیہ عمر بن خطاب کی طرف بھیجا گیا تو بخدا آپ فتح یا مالِ غنیمت سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے بچوں کے اس بشپ کو قتل کرنے پر مسرور ہوئے۔ اور آپ نے کہا کہ آج اللہ نے اسلام کو عزت دے دی ہے کہ بچوں نے اپنے نبی کی گستاخی پر غیض وغضب کا مظاہرہ کیا اور اُنہوں نے انتقام لے لیا۔"[1]

v. ایسے ہی اُصولی فرامین سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن عمر اور عمر بن عبد العزیز وغیرہ سے بھی مروی ہیں، جن کا تذکرہ باعثِ طوالت ہو گا۔

⑤ یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ شتم رسول یا دیگر جرائم کے ساتھ محاربہ کی سزا بھی بعض اوقات شامل ہو سکتی ہے جبکہ جرم میں سنگینی اور شدت و تکرار اس قدر زیادہ ہو کہ فساد فی الارض واقع ہو لیکن شتم رسول کی ہر صورت کو محاربہ قرار دینا یا محاربہ سے کمتر صورتوں میں شتم رسول کی سزا ہی رفع کر دینا بہر حال غلطی ہے۔

مذکورہ بالا واضح دلائل اور جلیل القدر فقہا وعلما کے صریح فرامین کو نظر انداز کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتے ہیں کہ

"یہ بات تو سبھی فقہی مکاتبِ فکر کے ہاں متفق علیہ ہے کہ شتم رسول کی سزا کا مسئلہ بنیادی طور پر ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور قرآن وسنت میں اس جرم پر 'حد' کے طریقے پر کوئی مخصوص سزا مقرر نہیں کی گئی۔"[2]

یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ مضمون نگار اپنے موقف کی تائید کے لئے حنفی فقہ کو پیش

---

۱ المستظرف: ۲/۷۰۵، أقضية الخلفاء الراشدين از ڈاکٹر آر کی نور محمد

۲ کتابچہ: توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۵۳

کرتے ہیں، جبکہ نامور حنفی فقہا کا موقف تو ایک طرف رہا، موصوف تو امتِ اسلامیہ کے اجماعی موقف کے بھی قائل نہیں، جیسا کہ اس قبل حدود قوانین کے موضوع پر اپنی تصنیف کے ردّ میں جامعہ مدنیہ لاہور کے مفتی ڈاکٹر عبد الواحد حفظہ اللہ کا جواب الجوب دیتے ہوئے آپ صراحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں:

"یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ علمی و فقہی تعبیرات کے دائرے میں اجماع کا تصور ایک علمی افسانہ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔"[1]

اجماع جیسی مسلّمہ دلیل شرعی کے بارے میں اس موقف کے بعد اُنہیں فقہ حنفی کا حوالہ دے کر، اس کی بنا پر اپنے موقف کو قائم کرنے کا تاثر دینے سے اخلاقاً گریز کرنا چاہیے۔

مضمون نگار کی غامدیت نوازی

اس بنا پر حنفی موقف کی حقیقت جو کچھ بھی ہو، اسے صرف مطلب براری کے لئے ہی پیش کرنا مقصود ہے۔ مضمون نگار کا موقف اس ضمن میں وہی ہے جو جاوید احمد غامدی نے اپنے متعدد مضامین میں بڑی صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ جاوید غامدی کے یہ مضامین ماہنامہ اشراق کے مئی، جون اور جولائی ۲۰۱۱ء کے تین شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ جو صاحبِ علم بھی ان مضامین کو پڑھیں گے تو وہ ممدوح مضمون نگار کی تحقیق اور ان مضامین میں پائی جانے والی مماثلت پر حیران ہو جائیں گے۔

① اختصار کے پیش نظر ہم صرف ان کے ایک دو اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں:

"توہین رسالت کی سزا کا جو قانون ریاستِ پاکستان میں نافذ ہے، اس کا کوئی ماخذ قرآن وحدیث میں تلاش نہیں کیا جاسکتا...

آیت میں یحاربون کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ آیت میں جو سزائیں بیان ہوئی ہیں، وہ اسی صورت میں دی جائیں جب مجرم سرکشی کے ساتھ توہین پر اصرار کرے؛ فساد انگیزی پر اُتر آئے؛ دعوت و تبلیغ، تلقین و نصیحت اور بار بار کی تنبیہ کے باوجود باز نہ آئے بلکہ مقابلے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ آدمی الزام سے انکار کرے یا اپنی بات کی وضاحت کردے اور اس پر اصرار نہ کرے تو لفظ کے کسی مفہوم میں بھی اسے

1 'مفتی عبد الواحد کی تنقیدات کا ایک جائزہ': ص ۱۳

محاربہ یا فساد قرار نہیں دیا جاسکتا۔
ریاست پاکستان میں احناف کی اکثریت ہے لیکن باعث تعجب ہے کہ قانون سازی کے موقع پر ان کی رائے یکسر نظر انداز کر دی گئی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ قانون قرآن کے بھی خلاف ہے، حدیث کے بھی خلاف ہے اور فقہاے احناف کی رائے کے بھی خلاف ہے، اسے لازماً تبدیل ہونا چاہئے۔ یہ پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا سبب بن رہا ہے۔"[1]

② غامدی صاحب کے موقف کی نزاکتیں ان کی زیر نظر تحریر میں ملاحظہ فرمائیں:
"فقہا یہ کہتے ہیں کہ مسلمان اگر توہین رسالت کا ارتکاب کرے گا تو مرتد ہو جائے گا، اور مرتد کی سزا قتل ہے... فقہا کے نزدیک سزا کی بنیاد یہی ہے لیکن قرآن وحدیث پر تدبر سے واضح ہو جاتا ہے کہ دورِ صحابہ کے بعد یہ بنیاد ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے۔ ہم نے اپنی کتابوں میزان اور برہان میں پوری طرح مبرہن کر دیا کہ ارتداد کی سزا انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھی جن پر رسول اللہ ﷺ نے براہِ راست اتمام حجت کیا اور آپ پر ایمان لانے کے بعد وہ کفر کی طرف پلٹ گئے... منکرین حق کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انہیں محکوم اور زیر دست بنا کر رکھنے کا حق بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ کسی مفتوح کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ مسلمان ریاستوں کے غیر مسلم شہری نہ اصلاً مباح الدم ہیں، نہ ذمی ہیں اور نہ کسی امان کے تحت رہ رہے ہیں جس کے اُٹھ جانے کی صورت میں ان کے بارے میں قتل کا حکم دیا جائے۔ یہ سب چیزیں قصہ ماضی ہیں۔"[2]

جاوید غامدی کی ان تحریروں میں کیا کیا گوہر افشانیاں کی گئی ہیں اور دونوں موقفوں میں کیا کیا مماثلتیں نکلتی ہیں، اس کا جائزہ ہم ذی بصیرت قارئین کی ذہانت کے سپرد کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

---

1 ماہنامہ اشراق، مئی ۲۰۱۱ء... ص ۱،۲،۳
2 ماہنامہ اشراق، جولائی ۲۰۱۱ء... ص ۲

③ مضمون نگار نے شتم رسول کے مسئلے میں سزاے موت سے انکار کیا ہے، کیوں؟ اس کی اساس غامدیت کے اُصولوں میں یوں بیان ہوئی ہے:

''موت کی سزا قرآن کی رو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں نہیں دی جاسکتی۔''[1]

④ ایک اور مقام پر ارتداد کی سزا کا انکار کرتے ہوئے جناب غامدی لکھتے ہیں:

''ہمارے فقہا کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعا سمجھنے کی بجائے اسے عام ٹھہرا کر ہر مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلام کے حدود وتعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا جس کا وجود ہی شریعت اسلامیہ میں ثابت نہیں ہے۔''[2]

⑤ جہاں تک مضمون نگار کی تجویز کردہ اس سزا کا تعلق ہے کہ ''شاتم رسول کو شہری حقوق سے محروم کر دیا جائے۔'' تو یہ سزا بھی فرقہ غامدیہ کے استاذ امام مولانا امین احسن اصلاحی کی ہی تجویز کردہ ہے۔ اس سے بھی موصوف کے فکری ماخذوں کا پتہ چلتا ہے، مولانا اپنی تفسیر میں آیت ﴿وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ﴾ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص مرتد ہو جاتا ہے، وہ اسلامی ریاست میں جملہ شہری حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔''[3]

⑥ ماضی میں بھی مضمون نگار کے اکثر مضامین مجلہ اشراق کی زینت بنتے رہے ہیں، بعد ازاں وہ مجلہ الشریعہ میں شائع ہوئے ہیں اور توہین رسالت کا حالیہ مسئلہ بھی مئی جون جولائی کے جن تین مہینوں میں ماہنامہ اشراق میں بحث مباحثہ کا موضوع بنایا گیا ہے، عین مارچ، اپریل اور جون ۲۰۱۱ء کے مہینوں میں مجلہ الشریعہ نے بھی اس پر چھ عدد مضامین شائع کئے ہیں۔ دونوں مجلات میں ایام کی یہ مناسبت بھی مشترکہ اہداف کی غمازی کر رہی ہے، بالخصوص جاوید غامدی نے اپنی تحریر کے آخر میں علماے احناف کو

---

۱ میزان از جاوید احمد غامدی... طبع دوم: ص ۲۸۳... طبع سوم: ص ۶۱۱

۲ برہان از جاوید احمد غامدی... طبع چہارم: ص ۱۴۳

۳ تفسیر تدبر قرآن زیر آیت سورۃ البقرۃ: ۲۱۷

غیرت دلانے کی جو کوشش کی ہے، اس کے تناظر میں الشریعہ کے جون کے شمارے میں ان مضامین کی معنویت بالکل واضح ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ فقہ حنفی میں توذمی کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ سے معمولی اختلاف پایا جاتا ہے جبکہ غامدی حلقہ نہ توذمی کا قائل ہے اور نہ ارتداد کا، نہ اجماع کا اور نہ ہی رجم کا، اس کے باوجود حنفی موقف میں ذمی کے بحث کو اُچھالنا صرف اضطراب کو پیدا کرنے کے لئے ہے تاکہ اس کے بعد تاویل وتوجیہ کا راستہ کھولا جاسکے۔

ان فکری رجحانات کی تصدیق

① مضمون نگار کے یہ فکری رجحانات چھپے ہوئے نہیں بلکہ مجلہ 'اجتہاد' اسلام آباد کے شمارہ نمبر ۵ میں شائع شدہ ان کے مضمون پر جامعہ ابوہریرہ کے مہتمم اور مدیر ماہنامہ القاسم مولانا عبد القیوم حقانی نے اپنی فکر مندی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"اب کے بار جو مقالہ پڑھا تو رونگٹے کھڑے ہوگئے اور یقین نہیں آرہا تھا کہ کیا واقعتاً بھی عمار خاں ناصر جیسے ذی علم، ذی استعداد اور صاحبِ فضل وکمال ایسی بات لکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ بات کسی پرویزی، کسی غامدی، کسی قادیانی، کسی بے دین کالم نویس نے لکھی ہوتی تو کبھی کڑھن نہ ہوتی اور نہ اس سلسلہ میں کچھ لکھنے کی ہمت ہوتی کہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ میرے خیال میں آں عزیز کی تحریری کاوشوں سے ملحدوں، دہریوں اور نفاذ اسلام کی جدوجہد کے خلاف کام کرنے والے دین دشمنوں بالخصوص قادیانیوں کی مذموم تحریکات کو تقویت ملتی بلکہ ان کی ترجمانی ہوتی ہے۔"[1]

② واضح رہے کہ جناب مضمون نگار کا ایسا ہی تعارف ان کے والدِ گرامی مولانا زاہد الراشدی اس سے قبل ان الفاظ میں کرا چکے ہیں کہ

"جاوید احمد غامدی سے ان کا شاگردی کا تعلق ہے، اُن کے ادارے سے ان کی جزوی وابستگی ہے اور ان کے بعض افکار سے وہ متاثر بھی ہے۔"[2]

۱ 'عمار خاں ناصر: کس راستے پر چل نکلے؟' شائع شدہ ماہنامہ القاسم، نوشہرہ
۲ ماہ نامہ 'الشریعہ' مئی جون ۲۰۰۹ء: ص ۹

ان کے اس تعارف پر حنفی ر دیوبندی حلقے میں بہت لے دی ہو چکی ہے اور موصوف نے ابھی تک کوئی تشفی بخش جواب یا پیش قدمی نہیں کی۔ جو صاحب اس سلسلہ مضامین سے مزید واقفیت حاصل کرنے کے متمنی ہوں، وہ نوشہرہ کے ماہنامہ القاسم کے شمارہ جون، جولائی اور اگست ۲۰۰۹ء میں چھپنے والی مراسلت کا مطالعہ کریں۔

③ نیز اس سلسلے میں وفاق المدارس العربیہ کے باضابطہ ترجمان ماہنامہ 'وفاق المدارس' ملتان ۲۰۰۹ء میں ان کے رجحانات پر شائع ہونے والا مضمون بھی بصیرت افروز ہے۔

④ توہین رسالت کے امتناع کے قانون پر مضمون نگار کا یہ موقف نیا نہیں بلکہ وہ ماضی میں بھی اس قانون پر اپنے بے اعتمادی کا اظہار ان الفاظ میں کر چکے ہیں:

"اس کے علاوہ عملاً جن قوانین مثلاً قادیانیوں کے خلاف امتناعی قوانین یا توہین رسالت ﷺ کی سزا پر عمل درآمد پر اصرار کیا گیا، ان کے پس منظر میں زیادہ تر عوامی سطح پر پائے جانے والے جذبات کار فرما تھے جبکہ حقیقی معاشرتی اصلاح کا پہلو ان میں نمایاں نہ تھا۔"[1]

مذکورہ بالا معروضات سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ مجلہ الشریعہ میں حنفی موقف کی تحقیق کے نام پر جو مضامین شائع کئے گئے ہیں اور اس کے بعد مدیر مجلہ نے جو ترامیم تجویز کی ہیں، ان کا تعلق فقہ حنفی کی بجائے جناب جاوید احمد غامدی کے افکار سے ہے۔ فقہائے حنفیہ کا موقف اس باب میں بالکل واضح ہے کہ وہ توہین رسالت کی سزائے قتل ہونے کے قائل وداعی ہیں اور شریعتِ اسلامیہ میں اس کی مقررہ سزا کے معترف ہیں۔ حنفی علما نے بھی اس مسئلہ کے بارے میں اُمت کے اجماعی موقف کو ہی اختیار کیا ہے۔ اُنہوں نے سزائے موت کا انکار کرتے ہوئے اس جرم کو محاربہ کے تحت لانے کا موقف بالکل نہیں اپنایا۔ جبکہ مضمون نگار فقہائے اُمت کے برعکس اس کو اس بنا پر حد قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ غامدی صاحب کی طرح حد ارتداد کے اس دور میں ناقابل عمل ہونے کے قائل ہیں، اسی بنا پر انہیں کتاب وسنت میں اس کی کوئی اساس نظر نہیں آتی اور اس کی کوئی حد دکھائی دینے کی بجائے محض

1 مجلہ 'اجتہاد' اسلام آباد... شمارہ نمبر ۵، بابت ماہ مئی ۲۰۰۹ء، ص ۸

محاربہ کی سزا ہی نظر آتی ہے۔ حنفیت کے نام پر جاوید احمد غامدی کی یہ ہم نوائی اور ان کے ملحدانہ افکار کے لئے حنفیت سے دلائل نکال کر کے پیش کرنا انتہائی افسوس ناک ہے۔ اگر علمائے احناف میں سے بعض کا موقف قدرے مختلف بھی ہے تو اس کی توجیہ و تحلیل اور مقصد وہدف اس سے بالکل مختلف ہے جو غامدی پیش نظر رکھے ہوئے ہے۔ ہمیں اُمیدِ واثق ہے کہ بعض ظاہری یا جزوی اشتراکات سے بالغ نظر علمائے احناف قطعاً مغالطہ نہیں کھائیں گے بلکہ مقصد و نتیجہ پر ہی نظر رکھیں گے۔

آخر میں مضمون نگار سے ہمارا سوال ہے کہ

① اگر توہین رسالت کی سزائے قتل شریعتِ اسلامیہ میں مشہور و مقرر ہے
② اگر فقہ حنفی میں پایا جانے والا اختلاف بھی ذمی کے بارے میں ہی ہے، جبکہ ذمیوں کا پاکستان میں کوئی وجود نہیں ہے
③ اگر صدرِ اوّل سے آج تک اُمت اس سزا کے بارے میں متحد و متفق چلی آرہی ہے
④ محاربہ کو کبھی کسی نے اس کی جرم کی اساس کے طور پر پیش نہیں کیا اور کسی نے سزائے موت کو آپ کی طرح اس جرم کی آخری حد کے طور پر 'گوارا' نہیں کیا
⑤ اُمتِ اسلامیہ ارتداد کی سزا کو بھی مانتی ہے اور اجماع کی حجیت کو بھی

تو پھر اس امتِ محمدیہ کے سامنے وہ کس بنا پر اِن ترامیم کو تجویز کر رہے ہیں جس سے مذکورہ بالا سب باتوں کی نفی ہوتی ہے۔ کیا اس طرح وہ اپنے آپ کو مغالطہ دے رہے ہیں، یا اُمت کے باشعور، صاحبِ ایمان اور مسند علم کے حاملین کو!؟

علمائے اسلام کو چاہئے کہ پیش کی جانے والی ترامیم کی نوعیت اور رجحان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُمتِ اسلامیہ کے اجماعی موقف کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ جو قانون ۲۵ برس قبل پاکستان کے تمام علمائے کرام کے اتفاق واتحاد کے ساتھ توہین رسالت کے امتناع کے لئے بنایا گیا تھا، وہ کتاب وسنت اور فقہائے اُمت کی موقف کی عین ترجمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی حفاظت اور اس پر عمل درآمد کرانے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لئے اپنی خدمات پیش کرنے کی ہمت دے۔ آمین!